National Book Foundation

Book Review

Monthly
Kitab ماہنامہ کتاب

شمارہ: نومبر، دسمبر 2021ء

People die, but books never die

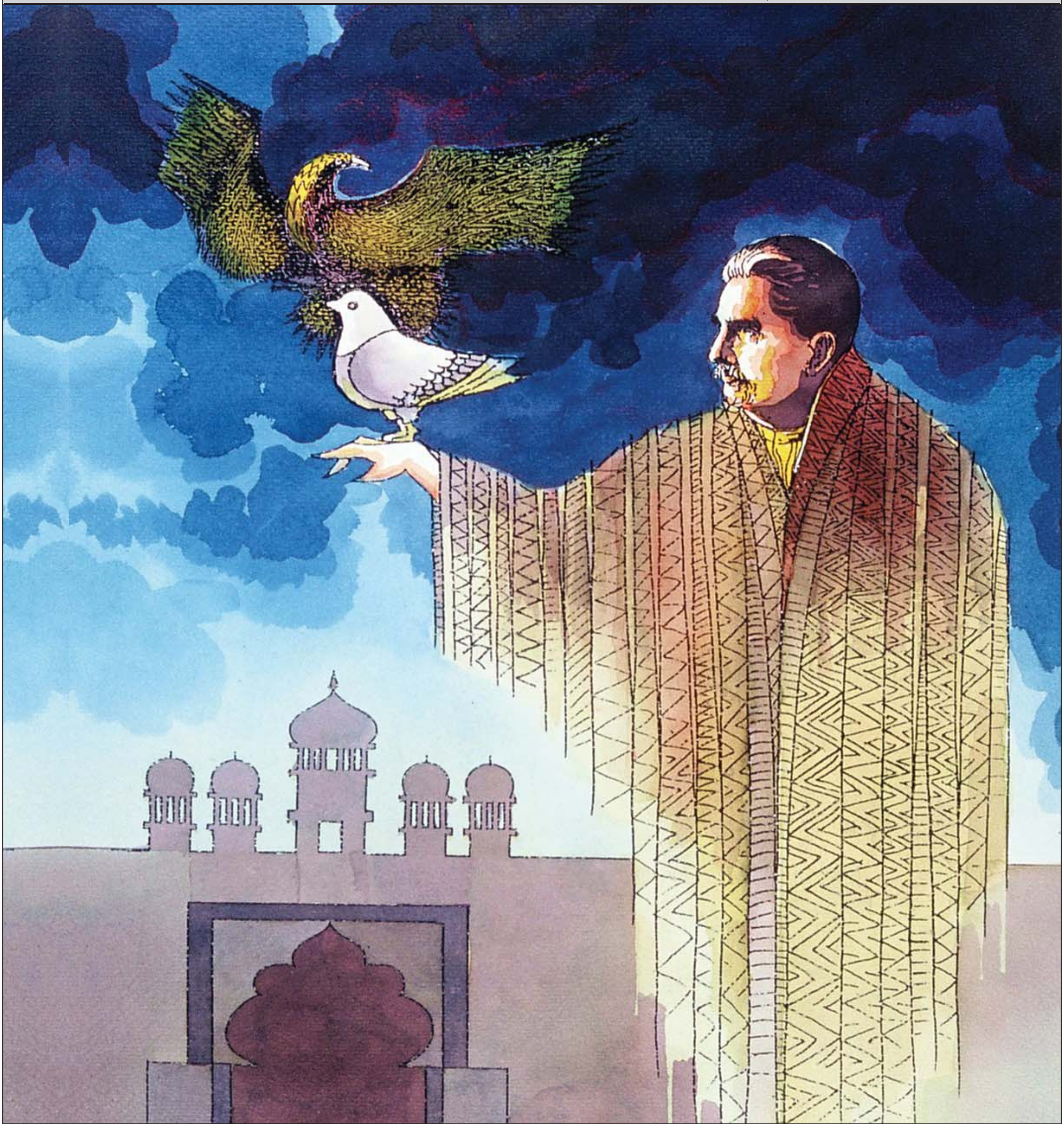

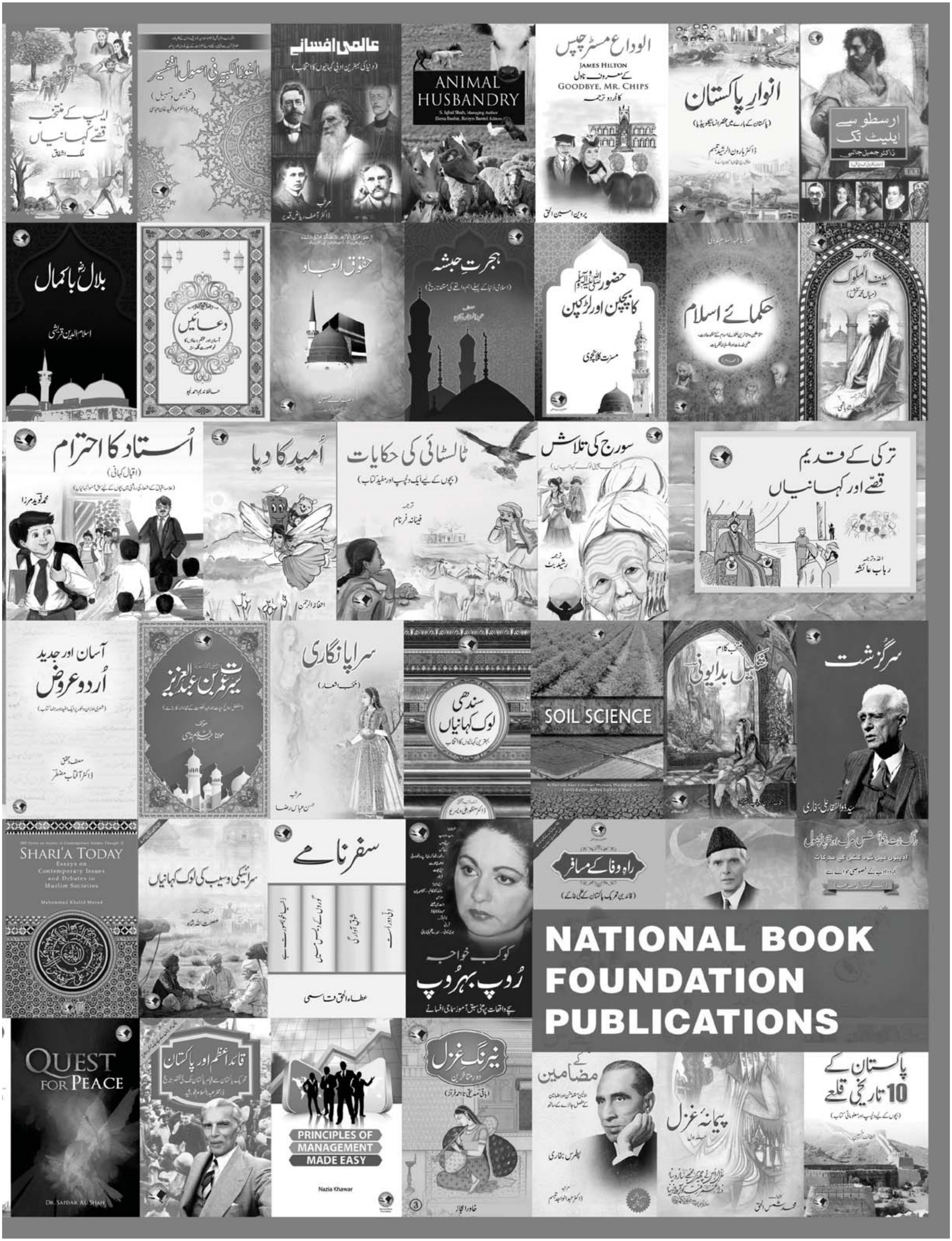
NATIONAL BOOK FOUNDATION PUBLICATIONS
ایسپ کے منتخب قصے کہانیاں
عالمی افسانے
ANIMAL HUSBANDRY
الوداع مسٹر چپس
JAMES HILTON
GOODBYE, MR. CHIPS
انوارِ پاکستان
ارسطو سے ایلیٹ تک
بلالؓ باکمال
دعائیں
حقوق العباد
ہجرتِ حبشہ
حکمائے اسلام
سیف الملوک
اُستاد کا احترام
اُمید کا دیا
ٹالسٹائی کی حکایات
سورج کی تلاش
ترکی کے قدیم قصے اور کہانیاں
آسان اور جدید اُردو عروض
سراپا نگاری
سندھی لوک کہانیاں
SOIL SCIENCE
سرگزشت
SHARI'A TODAY
سرائیکی وسیب کی لوک کہانیاں
سفرنامے
روپ بہروپ
راہِ وفا کے مسافر
QUEST FOR PEACE
DR. SAFDAR ALI SHAH
قائداعظم اور پاکستان
PRINCIPLES OF MANAGEMENT MADE EASY
Nazia Khawar
نیرنگِ غزل
مضامین
پیمانۂ غزل
پاکستان کے 10 تاریخی قلعے

National Book Foundation

Book Review

ماہنامہ کتاب Monthly Kitab

People die, but books never die

شمارہ: نومبر، دسمبر 2021ء

سرپرستِ اعلیٰ	ڈاکٹر راجہ مظہر حمید
مدیرِ اعلیٰ	امجد علی
مدیرِ منتظم	منصور احمد
مدیر	نازیہ رحمٰن
کمپوزنگ/لے آؤٹ	محمد شاہد دھریجہ
کوڈ نمبر	GNU-555
تعداد	500
مطبع	ایس ٹی پرنٹرز، راولپنڈی

6۔ماوا ایریا، تعلیمی چوک، G-8/4، پوسٹ بکس نمبر 1169، اسلام آباد

فون: 051-9261536 فیکس نمبر: 051-2264283

ای میل: monthlykitab@gmail.com

ویب سائٹ: www.nbf.org.pk

اسلام آباد	این بی ایف صدر دفتر بک شاپ: 6۔ماوا ایریا، تعلیمی چوک، G-8/4، اسلام آباد فون: 051-9261125
	این بی ایف بک شاپ 'شہرِ کتاب': F-7 مرکز، جناح سپر مارکیٹ، اسلام آباد فون: 051-2653677
لاہور	این بی ایف ریجنل آفس و بک شاپ: 45-C، سِوک سنٹر، نزد ٹیلی فون ایکسچینج مصطفیٰ ٹاؤن، لاہور فون: 042-99260014-15 فیکس نمبر: 042-99260013
	این بی ایف ٹریولرز بک کلب/شاپ: ڈومیسٹک ڈیپارچر لاؤنج، علامہ اقبال انٹرنیشنل ایئرپورٹ، لاہور فون: 042-36628545
واہ کینٹ	این بی ایف بک شاپ: سنٹرل لائبریری بلڈنگ، POF، واہ کینٹ (Premises) فون: 051-9314004
فیصل آباد	این بی ایف بک شاپ: دکان نمبر 10، ہاشمی ہال شاپنگ سنٹر، زرعی یونیورسٹی، فیصل آباد فون: 041-2648179
ملتان	این بی ایف آفس و بک شاپ: 6-5-4، ایم۔ڈی۔اے روڈ، نزد ملتان آرٹ کونسل، ملتان فون: 061-9201281
پشاور	این بی ایف ریجنل آفس و بک شاپ: پلاٹ نمبر 37-36، سیکٹر B-2، فیز 5، حیات آباد، پشاور فون: 091-9217273 فیکس نمبر: 091-5892744
ایبٹ آباد	این بی ایف بک شاپ: فرسٹ فلور، پبلک لائبریری، جلال بابا آڈیٹوریم، ایبٹ آباد فون: 0992-9310291
ڈیرہ اسمٰعیل خان	این بی ایف بک شاپ: گورنمنٹ اسلامیہ ہائر سیکنڈری اسکول نمبر 2، سرکلر روڈ، ڈی آئی خان فون: 0336-7221016
کراچی	این بی ایف ریجنل آفس و بک شاپ: این بی ایف، بریل کمپلیکس بلڈنگ، نزد پی ٹی وی اسٹیشن، اسٹیڈیم روڈ، کراچی فون: 021-99231762 فیکس نمبر: 021-99231089
	این ابی ایف ٹریولرز بک کلب/شاپ: ڈومیسٹک ڈیپارچر لاؤنج، جناح انٹرنیشنل ایئرپورٹ، کراچی فون: 021-99248432
سکھر	این بی ایف بک شاپ: پبلک لائبریری، اولڈ سکھر فون 071-9310892
حیدر آباد	این بی ایف بک شاپ: یونیورسٹی آف سندھ (اولڈ کیمپس)، گاڑی کھاتہ، حیدر آباد فون: 022-9200251
خیر پور	این بی ایف بک شاپ: اسٹوڈنٹ سروس سنٹر، شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیر پور فون: 0342-2937184
لاڑکانہ	این بی ایف بک شاپ: مین گیٹ، شہید محترمہ بے نظیر بھٹو میڈیکل یونیورسٹی، لاڑکانہ فون: 074-9410229
کوئٹہ	این بی ایف ریجنل آفس و بک شاپ: مکان نمبر 9/9-3، نتھا سنگھ اسٹریٹ، کوئٹہ فون: 081-9201570 فیکس: 081-9201869

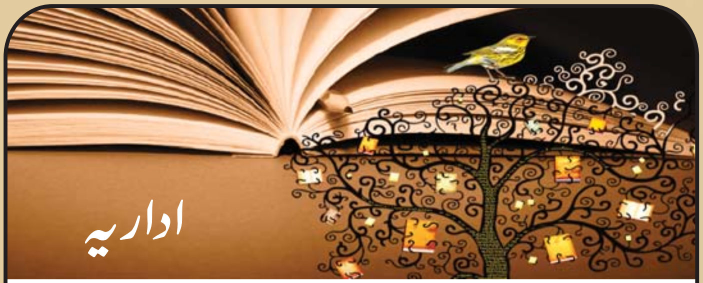

اداریہ

بیسویں صدی میں دنیا کے نقشے پر ایک نظریاتی مملکت کا ابھرنا ایک اہم اور منفرد واقعہ تھا۔ اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ ایک خطے کے حصول کے لیے کسی نظریے کو بنیاد بنا کر جدوجہد کی جائے اور پھر وہ خطہ حاصل ہی کر لیا جائے۔حکیم الامت شاعرِ مشرق اور مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبالؒ نے جو خواب دیکھا قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اس کے خدوخال واضح کرنے اور اسے تعبیر آشنا کرنے میں بے مثال کردار ادا کیا۔اِن کے طرزِ عمل، دیانت، خلوص اور اصول پسندی نے برصغیر کے اس حصے کی تقدیر بدل کر رکھ دی جو بعد میں پاکستان کے نام سے معرضِ وجود میں آیا۔اقبالؒ کے روشن کیے ہوئے دیے قائداعظمؒ کے ہاتھوں چراغ بن رہے تھے۔حصولِ آزادی کی جدوجہد میں قائداعظمؒ اور علامہ محمد اقبالؒ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے ماہنامہ کتاب نومبر تا دسمبر میں ان کے قدموں کے نشانوں کو تروتازہ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نیشنل بک فاؤنڈیشن کی ذمہ داریوں میں صرف اشاعتِ کتب ہی نہیں بلکہ عام قاری کو کتاب پڑھنے کی طرف راغب کرنا بھی شامل ہے۔عوام الناس کے ہر طبقۂ فکر کو کتاب سے مسلسل جوڑے رکھنے کے لیے این بی ایف نے اپنی اشاعت شدہ تمام جنرل بکس پر 50% رعایت دینے کا اعلان کیا ہے۔یہ سلسلہ این بی ایف کے دیگر مراکز پر بھی جاری ہے۔این بی ایف کے پلیٹ فارم پر Primer سے کلاس XII تک درسی کتب کے علاوہ علم وادب، فلسفہ، نفسیات، تاریخ، جغرافیہ، سائنس، اخلاقیات، اسلامی علوم اور جنرل نالج پر مشتمل کتب شائع کرنے کا سلسلہ جاری ہے اور اپنی روایات کے مطابق معیاری اور سستی کتب شائع کی جا رہی ہیں۔

ماہنامہ ''کتاب''، نیشنل بک فاؤنڈیشن کی علمی و ادبی سرگرمیوں اور کتاب کے بارے میں معلوماتی رسالہ ہے جو نہ صرف بڑوں کی بلکہ بچوں کے لیے بھی دلچسپی کا محور ہے۔ اس میں نامور شخصیات پر آرٹیکلز، محققین کی ادبی کتابوں پر مشتمل تبصرے، تحریریں، ادبی خبریں، بچوں کے لیے کہانیاں اور خصوصی رپورٹس شائع کی جاتی ہیں۔

ڈاکٹر راجہ مظہر حمید

مینیجنگ ڈائریکٹر

Contents فہرست

03 ایڈیٹر کے نام خط

04 علامہ اقبالؒ — مضمون: ڈاکٹر ایوب صابر

06 قائداعظمؒ — مضمون: ہارون الرشید تبسم

08 بصارت سے محروم بچوں کے لیے بریل کی کتابوں کی تقریبِ رونمائی

09 کتاب: حضور آپ ﷺ — تبصرہ: سید محمد علی بن عزیز

11 منتارا — تبصرہ: ڈاکٹر عصمت درانی

12 General Books of National Book Foundation Published During 2020 - 2021

13 کتاب: میثاقِ عمرانی — تبصرہ: میاں مختار احمد کھٹانہ

14 نیشنل بک فاؤنڈیشن کے ایم ڈی کا این بی ایف پشاور کا دورہ اور چیئرمین خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ سے ملاقات

15 کتاب: سچ تو یہ ہے — تبصرہ: غلام حسین میمن

16 کتب بینی سروے

17 اقبال اور کارل مارکس — تبصرہ: ولید اقبال

19 کتاب: غبارِ آئینہ — تبصرہ: نوید صادق

21 Book: 'Golden Nuggets (Quotable Quotes)' (اصل کتاب سے)

23 A Textbook of Geography for Grade-8
Reviewer: Faiza Ambreen Zahid

24 ممتاز صحافی، شاعر، کالم نگار، مترجم اور دانشور محمود شام کا انٹرویو
گفتگو: محبوب ظفر

27 کتاب: دوا، غذا اور شفاء — (کچھ حصہ اصل کتاب سے)

28 کتاب: بلوچی لوک کہانیاں — تبصرہ: پروفیسر منظور علی ویسریو

29 Books that changed My Life (کچھ حصہ اصل کتاب سے)

30 کتاب: آزاد شیرنی — (کچھ حصہ اصل کتاب سے)

31 The Plight of Kashmir (کچھ حصہ اصل کتاب سے)

32 کتاب: می سوزم — تبصرہ: حنا جمشید

35 Report 5th National Convention of Disabled Women Observed

36 کتاب: تنقید کا دائرہ — تبصرہ: عبدالعزیز انجم

38 این بی ایف کی جانب سے خیبر پختونخوا کے طلبہ کے لیے دو ملین روپے تک کی درسی کتب کی مفت فراہمی

39 NBF Textbooks from Primer to Grade-5
in accordance with Single National Curriculum 2020

40 NBF Textbooks from Grades-VI-XII
for academic year 2021-22

42 کتاب: آخری تحفہ — تبصرہ: تہذین طاہر

44 کتاب: پیاری چڑیا — تبصرہ: صباحت عمران

46 کتاب: من چلی کہانیاں — (کچھ حصہ اصل کتاب سے)

48 کتاب: پھولوں بھرا رستہ — تبصرہ: غلام زہرہ

ایڈیٹر کے نام خط

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

نیشنل بُک فاؤنڈیشن کا شمارہ ماہنامہ 'کتاب' ستمبر، اکتوبر 2021ء موصول ہوا۔ کرم فرمائی کے لیے شکرگزار ہوں۔ کتاب کلچر کے فروغ کے لیے آپ کی سرپرستی 'کتاب' میں علمی اور قومی و علمی موضوعات کے ساتھ ساتھ تاریخ، علم و ادب، فلسفہ، نفسیات، سائنس، جغرافیہ، اخلاقیات، اسلامی علوم، تحقیق و تنقید اور جنرل نالج کو شامل کرتے ہوئے ترتیب دیا گیا ہے، اس سے یہ شمارہ علمی و ادبی حلقوں اور عام قارئین کی معلومات اور دلچسپی کا باعث بن گیا ہے۔

ان شاء اللہ اس سے استفادہ کروں گا اور 'ادارۂ فروغِ قومی زبان' کے کتب خانہ کے توسط سے دیگر قارئین اور رفقا بھی فیض یاب ہوں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر رؤف پاریکھ

ڈائریکٹر جنرل، ادارۂ فروغ قومی زبان

اسلام آباد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ نے یاد رکھا۔ ذاتی طور پر ممنون ہوں۔

ماہنامہ کتاب کا شمارہ دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ انتہائی خوبصورت طباعت اور معیار قابلِ تعریف ہے۔ رسالے کی ترتیب و تدوین انتہائی اعلیٰ ہے اور مختلف تقریبات اور سیمینار کی معلومات عمدہ طریقے سے قارئین تک پہنچائی گئی ہیں جس سے ادب اور ادب کی دنیا سے متعلق لوگوں کی نمایاں حوصلہ افزائی ہوگی۔ نئی اور پرانی مطبوعات سے لوگوں کو آگاہی سے کتاب پڑھنے کے رجحان میں اضافہ ہوگا۔

آپ کی اور اس جریدے کی کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔

محمد اسلم راؤ

صدر، ملٹی پروفیشنل کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی

اسلام آباد

السلام علیکم!

آپ کی خیریت نیک مطلوب ہے۔ ماہنامہ کتاب شمارہ ستمبر، اکتوبر کا ہر صفحہ دیکھنے اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ افسانے پڑھنا میرا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ ''رضیہ فصیح احمد کے منتخب افسانے'' میری توجہ کا مرکز بنا۔ سب سے اچھی بات یہ ہے کہ کتاب مناسب قیمت پر دستیاب ہے جو اس مہنگائی کے دور میں بآسانی خرید کر پڑھی جا سکتی ہے۔

سلمیٰ احمد

سلام مسنون!

کتاب انسان کی بہترین دوست ہے۔ اس بات کو ماہنامہ کتاب شمارہ ستمبر، اکتوبر نے ثابت کر دیا۔ کتابیں کسی بھی قوم کے لیے قیمتی اثاثہ ہوتی ہیں اور ان کا تحفظ ہم سب پر لازم ہے کیونکہ یہ ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں آگاہ کرتی ہیں۔ آپ کا بڑھتا قدم اس بات کا عکاس ہے کہ ہماری اگلی نسل کتب بینی سے محروم نہیں رہے گی۔

عتیق الرحمان

السلام علیکم!

ستمبر اکتوبر کا ماہنامہ کتاب موصول ہوا۔ ماشاء اللہ خوبصورت سرورق کے ساتھ انتہائی معلوماتی تحریریں پڑھ کر خوشی حاصل ہوئی اور محسوس کیا کہ نیشنل بک فاؤنڈیشن ایک دفعہ پھر علم دوست ہاتھوں میں آ گئی ہے۔ نثار ترابی کے پنجابی زبان میں مجموعہ کا تعارف ڈاکٹر آصف محمود جاہ کی معلوماتی تحریر پسند آئی۔ ہارون الرشید تبسم سرگودھا کی ادبی شان ہے۔۔۔ منی آرڈر۔۔۔ کہانی اُستاد شاگرد کی لازوال محبت کی عکاس ہے۔ اللہ کرے آج کے اُستاد اور شاگرد کی سوچ مثبت ہو سکے۔ دینی حکایات کو بھی جگہ دیں۔ اچھی کاوش کے لیے مبارک باد اور کامیابی کی دُعاؤں کے ساتھ۔۔۔

ریاض احمد میو

سلام مسنون!

''ماہنامہ کتاب'' کا ''کتب بینی سروے'' سے اس بات کی دلیل ہے کہ کتاب سے تعلق رکھنے والے لوگ ابھی کتب بینی کی روایات کو ساتھ لے کر چل رہے ہیں۔ یہ روایت قومی ادارے کی وجہ سے ہمیشہ زندہ و پائندہ رہے گی۔

فیض محمد

This is the first time that I have an overview of your Monthly Kitab" Book Review" edition. It was an interesting and informative source about different books. People can get help from this book for a good book selection on reasonable prices. I have gone through all the book reviews and it had made it easy for me to choose good one for myself. Furthermore, it was beautifully designed and attractive. I wish you more success and I will wait for your next edition.

Sadia Riaz
Lecturer
University of Sargodha

تصویر: علامہ محمد اقبالؒ

اسلامی قومیت، تصور پاکستان اور اسلامی اتحاد ایک دوسرے سے وابستہ و پیوستہ تصورات ہیں۔ ان کی بنیاد اسلام ہے اور اقبال ان سب تصورات کے نقیب ہیں۔ اس ضمن میں مستشرقین، ہندوؤں اور اشتراکیوں کی طرف سے علامہ اقبال سخت اعتراضات کا ہدف بنے۔ ہندی برادری پر اسلامی برادری کو ترجیح دینے کا آغاز ہوا تو اعتراضات کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ ۱۹۱۱ء کی ایک تقریب میں مولانا شبلی نعمانی نے اقبال سے کہا کہ "میری نظموں کے متعلق بعض ناخدا ترس لوگوں نے غلط باتیں مشہور کر رکھی ہیں اور مجھ کو پین اسلامزم کی تحریک پھیلانے والا بتایا جاتا ہے۔ مجھ کو پین اسلامسٹ ہونے کا اقرار ہے اور میرا یہ اعتقاد ہے کہ ہماری قوم ایک شاندار مستقبل رکھتی ہے۔"

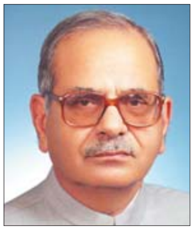

مضمون نگار: ڈاکٹر ایوب صابر

مستشرقین میں سے، اسلامی اتحاد کے حوالے سے، سب سے پہلے اقبال پر ڈکنسن نے اعتراض کیا۔ ڈکنسن کی نظر اقبال کے اردو کلام اور رموزِ بیخودی پر نہیں تھی۔ صرف اسرارِ خودی کا انگریزی ترجمہ پڑھ کر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اقبال کے پیشِ نظر اسلامی دنیا کی مضبوطی اور اتحاد ہے۔ اسرارِ خودی پر اس کا تبصرہ ۱۹۲۰ء کے آخر میں شائع ہوا۔ ڈکنسن لکھتا ہے:

"And if the East once gets going to recover by arms a free and united Islam, it will not stop till it has either conquered the world or failed in that attempt.

اسرارِ خودی میں دنیا کو فتح کرنے کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ ڈکنسن کا جواب لکھتے ہوئے اقبال نے اس خدشے کی تردید بھی کر دی تھی۔ تفصیل کتابِ دوم میں "کیا اقبال اسلامی فاشسٹ ہیں؟" کے زیرِ عنوان بیان ہو چکی ہے۔ چند برس بعد اسی طرح کا خدشہ لالہ لاجپت رائے نے ظاہر کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ "میں ہندوستان کے مسلمانوں سے خائف نہیں ہوں لیکن ان کے ساتھ وسطِ ایشیا، عرب، عراق اور ترکی کے مسلح لشکروں کی تاب ہم نہ لا سکیں گے۔" اسلامی اتحاد کے ضمن میں، علامہ اقبال پر، ڈاکٹر سچد انند سنہا کے اعتراضات ہندوؤں کا ردِ عمل کے زیرِ عنوان زیرِ بحث آ چکے ہیں۔ اشتراکیوں میں سے سب سے پہلے احمد علی نے اقبال پر اسلامی اتحاد کے حوالے سے تنقید کی۔ ان کے نزدیک اقبال کی شاعری ایک ناممکن اور بے معنی "پین اسلامزم" کی دعوت دیتی ہے"۔ احمد علی کے جواب میں آل احمد سرور نے لکھا کہ "اگر ساری دنیا کے مزدوروں کو ایک شیرازے میں متحد کرنے کی صدا (Workers of the world! unite) بے معنی نہیں تو ایک خدا اور ایک رسول صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کا کلمہ پڑھنے والوں کو یکجا کرنے کی کوشش بے معنی کیسے ہو سکتی ہے۔ "دُنیا کے مزدورو! متحد ہو جاؤ" اب ماضی کا نعرہ ہے جس کا احیا محال ہے۔ اسلامی اتحاد کی راہ میں رکاوٹیں بے شک حائل ہیں۔ یہ رکاوٹیں داخلی بھی ہیں اور خارجی بھی۔ مسلم ممالک کے حکمران بیشتر اغیار کا آلہ کار بنے ہوتے ہیں اور استعماری طاقتیں اتحادِ اسلامی کے خلاف سرگرم کار رہیں تاہم دنیا میں مختلف بنیادوں پر اتحاد قائم ہو رہے ہیں۔ آسیان اور سارک علاقائی اتحاد ہیں۔ عرب لیگ کا آغاز لسانی و علاقائی بنیاد پر ہوا۔ یورپی یونین نسبتاً زیادہ مؤثر اتحاد ہے جس میں وہ ممالک جمع ہیں جو ماضی میں ایک دوسرے کے

ہولناک دشمن تھے۔ نیٹو ایک زبردست دفاعی اتحاد ہے۔ یہ اتحاد جن بنیادوں پر قائم ہیں وہ مادی ہیں لہٰذا ناپائیدار ہیں۔ چنانچہ برطانیہ کی علیحدگی کے بعد یورپی یونین ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوسکتی ہے۔ اسلام ایک روحانی رشتہ ہے اور ہر رشتے سے زیادہ توانا مسلمانوں کا دورِ گراں خوابی ختم ہورہا ہے۔ اسلامی دنیا کی رگوں میں خون نے دوڑنا شروع کر دیا ہے۔ طوفانِ مغرب سے مسلمان، مسلمان بن رہا ہے۔ ضمیرِ لالہ میں چراغِ آرزو روشن ہورہا ہے۔ خلیل اللہ کے دریا میں گہر پیدا ہورہے ہیں اور ملت بیضا ہورہی ہے۔ او آئی سی مسلمان ملکوں کا اتحاد ہے۔ یہ اتحاد ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے۔ جب ایران اور ترکی کی طرح پاکستان مصر اور دوسرے اہم مسلم ممالک کے حکمران صاحبانِ صدق و یقین ہوں گے تو پائیدار اتحاد عمل میں آئے گا۔

ہندو اور مستشرقین اقبال کے حوالے سے اور اس حوالے کے بغیر بھی پین اسلامزم کو ہوّا بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اس ضمن اقبال کو بدنام کرنے کی کوششیں ہوئیں۔ اقبال دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے جب انگلستان جارہے تھے تو ممبئی کرانیکل کے نمائندے نے ان سے انٹرویو لیا۔ اس نے فرقہ پرستی (ہندو مسلم افتراق)، قوم پرستی (Indian Nationalism)، پین اسلامزم اور انگریز سامراج سے متعلق اقبال سے سوالات کیے۔ بقول محمد احمد خان ان سوالات سے کانگرسی پروپیگنڈے کے لیے مسالہ حاصل کرنا مقصود تھا تاکہ اس کو نمک مرچ لگا کر سنسنی خیز بنائی جائے اور اقبال کی حیثیت کو گرایا جائے، لیکن اقبال نے ان زہر آلود سوالات کے جو واضح، دوٹوک اور مدلل جوابات دیئے انھوں نے کانگرسی پروپیگنڈے کے غبارے سے ہوا نکال دی۔ اقبال کے قیام انگلستان کے دوران ایڈورتھامپس کا خطبۂ الٰہ آباد کے حوالے سے، لندن ٹائمز میں ''پین اسلامی سازش'' کے زیرِ عنوان ایک مراسلہ شائع ہوا۔ اقبال نے اس کا بھی مناسب جواب دیا۔ تفصیل تصورِ پاکستان پر اعتراضات کے ضمن میں آرہی ہے۔

ممبئی کرانیکل کے نمائندے کے اس سوال کے جواب میں کہ 'پان اسلامزم' کے متعلق آپ کا تصور کیا ہے، اقبال نے کہا یہ اصطلاح دو معنوں میں استعمال کی گئی ہے۔ اس اصطلاح کو ایک فرانسیسی صحافی نے گھڑا تھا۔ اس کے نزدیک یہ خطرہ یورپ کے خلاف دُنیائے اسلام میں پرورش پا رہا تھا۔ دراصل اس کا مقصد اسلامی دنیا کے خلاف یورپی جارحیت کا جواز مہیا کرنا تھا۔ جمال الدین افغانی نے افغانستان، ایران اور ترکی کو یورپی جارحیت کے خلاف متحد ہونے کی تلقین کی تھی لیکن یہ ایک دفاعی منصوبہ تھا اور افغانی نقطہ نظر بالکل درست تھا۔ اس اصطلاح کا ایک اور مفہوم بھی ہے۔ اس مفہوم کی رو سے یہ کوئی سیاسی منصوبہ نہیں بلکہ ایک سماجی تجربہ ہے۔ اسلام ذات پات اور نسل و رنگ کے فرق و امتیاز کو تسلیم نہیں کرتا۔ اسلام نے جس طرح اس مسئلے کو حل کیا ہے جدید یورپی تہذیب، سائنس اور فلسفے میں اپنی تمام تر کامیابیوں کے باوجود حل نہیں کر پائی۔ ان دوسرے معنوں میں پان اسلامزم پان ہیومنزم کے مترادف ہے اور ہر مسلمان پان اسلامسٹ ہے۔ اس اصطلاح سے ''پان'' حذف کر دینا چاہیے کہ یہ مفہوم ''اسلام'' میں شامل ہے۔

تیسری گول میز کانفرنس کے موقع پر نیشنل لیگ کے استقبالیے میں اقبال نے ہندو ہم وطنوں کے اس الزام کو سر آنکھوں پر لیا کہ ہم پان اسلامی ہیں۔ اقبال نے مزید کہا کہ ''یہ انسان کا عقیدہ و مذہب، اس کی تہذیب و ثقافت اور روایات ہی ہیں جن کے لیے اس کو جینا اور جن کی خاطر اس کو مرنا چاہیے۔ اگلے برس، ۱۹۳۳ء میں سر فضل حسین نے پان اسلامزم کی مخالفت میں بیان دیا اور کہا اس کا کبھی وجود نہیں تھا۔ اقبال نے اس سے جزوی اتفاق کیا لیکن اسلام کے معنوں میں پان اسلامزم کی حمایت کی اور کہا کہ یہ موجود رہا ہے اور موجود رہے گا۔ ہفتے عشرے کے بعد اقبال نے ایک بیان میں کہا:

''پان اسلامزم کا لفظ فرانسیسی صحافت کی ایجاد ہے اور یہ لفظ اس مفروضہ سازش کے لیے استعمال کیا گیا تھا اس کے وضع کرنے والوں کے خیال کے مطابق اسلامی ممالک، غیر اسلامی اقوام خاص کر یورپ کے خلاف کر رہے تھے۔ پان اسلامزم کا ہوّا پیدا کرنے والوں کو منشا صرف یہ تھا کہ اس کی آڑ میں یورپ کی چیرہ دستیاں جو اسلامی ممالک میں کی جارہی تھیں وہ جائز قرار دی جائیں۔ اسلام ایک عالمگیر سلطنت کا یقیناً منتظر ہے جو نسلی امتیازات سے بالاتر ہوگی اور جس میں شخصی اور مطلق العنان بادشاہتوں اور سرمایہ داروں کی گنجائش نہ ہوگی۔ دنیا کا تجربہ خود ایسی سلطنت پیدا کر دے گا۔ غیر مسلموں کی نگاہ میں شاید یہ محض خواب ہو لیکن مسلمان کا یہ ایمان ہے۔''

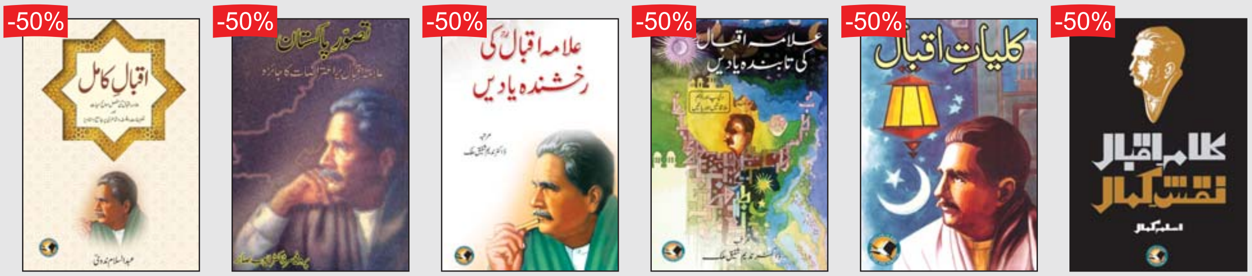

Price: Rs.200/- Price: Rs.300/- Price: Rs.260/- Price: Rs.220/- Price: Rs.230/- Price: Rs.1600/-

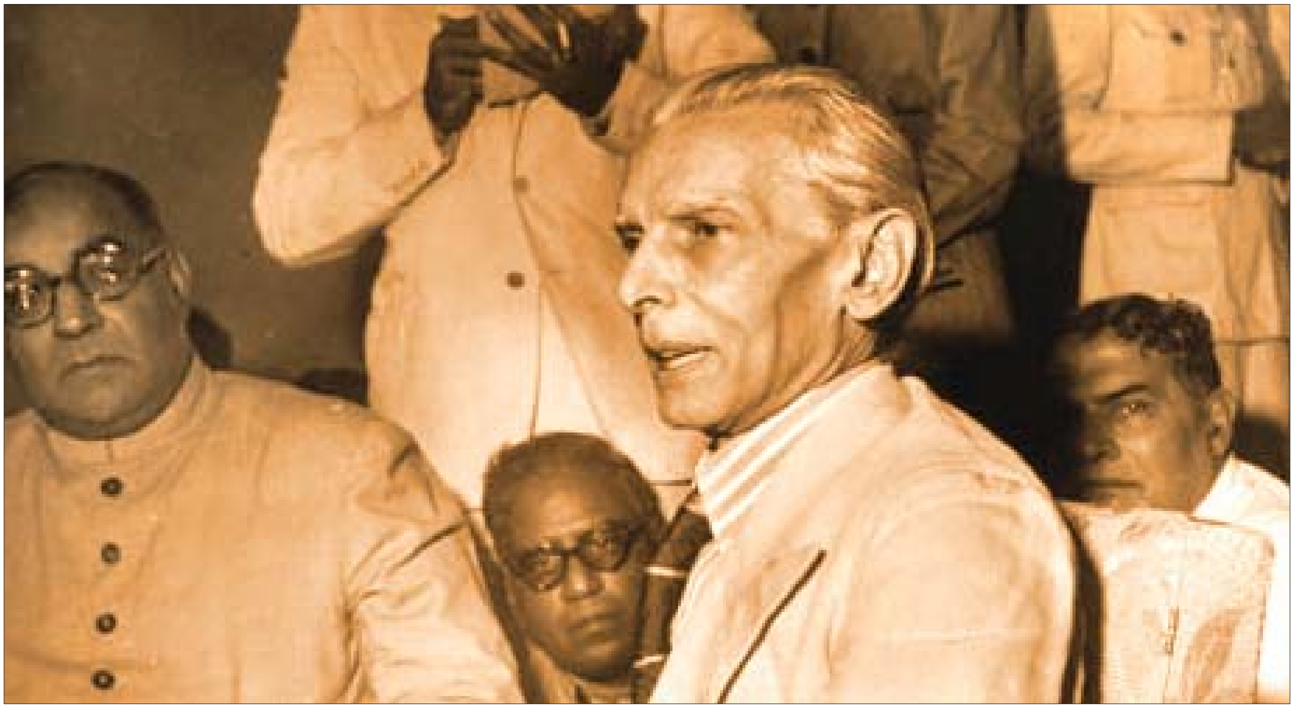

تصویر: قائداعظم محمد علی جناحؒ

کچھ لوگ کاروانِ حیات میں غنچہ حیات کی عنبر فشانی کے لیے ناقابلِ فراموش کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسانیت کی خدمت کرنا ان کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے۔ وہ مرنے کے بعد ایسے درخشندہ نقوش چھوڑ جاتے ہیں جس سے جبینِ انسانیت کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ قومیں انھیں ہمیشہ یاد کرتی ہیں۔ حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کا شمار

مضمون نگار: ہارون الرشید تبسم

ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔ وہ اس وقت منصۂ شہود پر آئے جب انگریزوں کی چالاکیاں' ہندوؤں اور سکھوں کی مکاریاں مسلمانوں کو ہر طرح سے کچل دینے پر آمادہ تھیں۔ انگریز اپنے اقتدار کا سورج غروب ہوتے کب دیکھ سکتے تھے؟ جب کہ ہندو رام راجیہ کے قیام کے خواب دیکھ رہے تھے۔ سکھ اندرون خانہ سازشوں کے جال بچھا رہے تھے۔ دوسری طرف مسلمان نا اتفاقی کا شکار تھے۔ بہادر قوم کے سپوت ہونے کے باوجود پستی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ایک خدا' ایک رسول صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم اور ایک کتاب کو ماننے والے مادیت کے پرستار نظر آرہے تھے۔ اس پُر آشوب دور کا قائداعظمؒ نے افکارِ اقبال کے تناظر میں جائزہ لیا۔ وقت کی نزاکت کو سمجھا۔ مسلمانوں کو ان کی منزل سے آگاہ کرنے کے لیے ایک منظّم فارمولا تیار کیا۔ انڈین نیشنل کانگریس کو پرکھا ان کے خفیہ عزائم پر نظر دوڑائی اور پھر مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ جماعت کا تصور دیا۔

وہ انسانیت وشرافت' صداقت وامانت' فتانت وذہانت' سنجیدگی ومتانت' یقینِ محکم' عمل پیہم' جہدِ مسلسل اور ایثار وقربانی کا عظیم پیکر تھے۔ اُن میں قوتِ ایمانی تھی، اُن کے لفظوں میں حق وبے باکی کے نگینے جڑے ہوئے تھے۔ اللّٰہ تعالیٰ نے اُنھیں بے پناہ فولادی قوتِ ارادی' قوتِ استدلال اور سیاسی بصیرت عطا کر رکھی تھی۔ انھوں نے قوم کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچائی۔ اُن کی زندگی اصولوں پر استوار تھی، انھوں نے اِن اصولوں کی خاطر کسی سودے بازی کو قبول نہیں کیا۔ اُن کے دل میں قوم کا دکھ اور احساس معجزن تھا۔ اُنھوں نے اپنی ذاتی بیماریوں اور پریشانیوں کو پسِ پشت ڈال کر قوم کی ڈگمگاتی کشتی کو سہارا دیا۔ وہ عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم تھے اس لیے اُن کے دل میں مسلمانوں سے عشق تھا۔ اس عشق میں وہ مگن تھے۔ یوں اُن کی شخصیت ایک تحریک میں ڈھل گئی۔ وہ مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے انتھک محنت کرتے رہے۔ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں نے اُن کا ساتھ دیا۔ وہ برِاعظم پاک وہند کے کونے کونے میں گئے۔ اپنوں اور بیگانے کا دروازہ کھٹکھٹایا، تحریکِ پاکستان کو تقویت ملی۔ اُن کی وجہ سے مسلمان ایک پرچم تلے جمع ہوگئے۔ قندیلِ آزادی کو منور کرنے کے لیے اُنھوں نے کسی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا۔ اُنھوں نے تاریخ کے چند اوراق اُلٹے۔ اس کا دھارا بدل کر ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا۔ اُنھوں نے ثابت کیا کہ قوت ہار جاتی ہے اور جذبوں کی صداقت فتح یاب رہتی ہے۔ اُنھوں نے دوقومی نظریے کے پرچار کے لیے متعدد جلسوں سے خطاب کیا۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کے پیغام کو اپنے لیے مشعل راہ تصور کیا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

قائداعظمؒ نے خود دوقومی نظریے کے متعلق فرمایا ''پاکستان تو اس وقت عالمِ وجود میں آچکا

تھا جس دن ہندوستان کا پہلا شخص مسلمان ہوا تھا۔ ہم مسلمان اپنی تابندہ تہذیب وتمدن کے لحاظ سے ایک قوم ہیں۔ زبان وادب، فنِ لطیف وفنِ تعمیر، نام ونسب، شعورِ اقتدار، قانون واخلاق، رسوم ورواج، تاریخ وروایات اور رجحان ومقاصد ہر لحاظ سے ہمارا اپنا انفرادی زاویۂ نگاہ اور فلسفۂ حیات ہے۔

بین الاقوامی قانون کی ہر تعریف ہماری قومیت کی عظمت کو سلامی دینے کے لیے ہے۔ ایمان، اتحاد، نظم وضبط ان کے لیے سنہری اصول تھے۔ اُنھوں نے مرتے دم تک اپنے اُصولوں کی پاسداری کی۔ اُن کے خیال میں ایمان ایسی قوت کے سامنے باطل کی تمام تر قوتیں مشت غبار تھیں۔ اُنھوں نے لالچ اور حرص کو اپنے قریب نہ آنے دیا۔ اُن کو خوشامد اور خوشامدیوں سے سخت نفرت تھی۔ وہ انسانیت کی عظمت کا اعتراف کرتے تھے۔ قائداعظم کے کردار کا نمایاں پہلو یہ تھا کہ وہ معاشرتی وسیاسی اور دیگر معاملات زندگی میں اخلاقی اقدارِ حیات کو مدنظر رکھتے تھے۔ سیاست کے میدان میں لوگ بددیانتی اور بے اصولی کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں لیکن قائداعظم نے تو میدانِ سیاست میں بھی امانت، دیانت اور صداقت کا ساتھ نہ چھوڑا۔ قائداعظم نے اپنی کامیابی کو چار خصوصیات کا کرشمہ قرار دیا۔ مضبوط کردار، جرات مندی، محنتِ شاقہ اور استقلال، انھوں نے ان چار اصولوں کے ستونوں پر انسانی شخصیت کا نہایت عظیم الشان محل تعمیر کیا۔ ان اوصاف حمیدہ کی وجہ سے وہ محمد علی جناح سے قائداعظم بنے۔

1900ء سے لے کر وفات (11 ستمبر 1948ء) تک تحریک وتشکیلِ پاکستان میں اُن کا کردار بتدریج مسلمانوں کی آزادی کے لیے ہمارے سامنے عیاں ہے۔ اُنھوں نے قوم کو بیدار کر کے دعوتِ عمل دی۔ انھیں اسلاف اور مغلیہ سلطنت کی وراثت کا امین کہا۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی زندگیوں کے نمونے ان کے سامنے پیش کیے۔ اُن کے لفظوں میں سچائی تھی۔ بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ اُن کے پیغام کا مسلمانوں پر گہرا اثر ہوا۔ 1906ء میں مسلم لیگ کا قیام اور پھر 1913ء میں قائداعظم کی اس میں شمولیت نے مسلمانوں کے لیے اتحاد کا پیغام ثابت ہوا۔ اس راہ میں اپنوں اور بیگانوں نے رکاوٹیں کھڑی کیں۔ مصائب کے پہاڑ ٹوٹے لیکن یہ مردِ آہن اپنے چھوٹے سے قافلے کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہا۔

مولانا محمد علی جوہر، مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خان ایسے شعلہ بیاں مقررین نے مسلمانوں کی بیداری کی تحریک میں نئے آہنگ کا اضافہ کیا۔ اُن کی پُر اثر گفت گو ہندوؤں، سکھوں کے لیے تیر کا کام کرتی رہی۔

نوجوان مسلمان طلبہ اور خواتین کی تحریک پاکستان میں شمولیت سے اسے اور تقویت حاصل ہوگئی۔ ان حالات میں قائداعظم کا اٹھنا بیٹھنا، سونا اور جاگنا قوم کے لیے تھا۔ وہ اپنے عزیز واقارب اور ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود رات گئے تک محنت کرتے مختلف وفود سے ملاقات کرتے، حکومتِ برطانیہ کے سوالات کے جواب تحریر کرتے حتیٰ کہ ایک موقع پر اُنھوں نے مسلمانوں کی آزادی کے لیے اپنے پیشے وکالت کو بھی خیر باد کہہ دیا۔

اُنھوں نے ہندوؤں کی تنگ نظری، انگریزوں کے تعصب اور سکھوں کی دورخی پالیسیوں کو بڑے غور سے دیکھا اور حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا کہ ہندوستان میں دو قومیں آباد ہیں جن کا طرزِ عمل تہذیب وتمدن، رسم ورواج اور مذہب وثقافت ایک دوسرے سے مختلف ہیں لہٰذا یہ دونوں اقوام مخلوط انتخابات میں قائم ہونے والی حکومت میں پُرامن نہیں رہ سکتیں اس لیے مسلم آبادی کے وہ علاقے جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں ان پر مشتمل ایک علیحدہ آزاد مملکت بنائی جائے۔ یہ اعلان سنتے ہی ساون، بھادوں کی بارشوں کی طرح اعتراضات کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔ دیول، نہرو، گاندھی، ماؤنٹ بیٹن اور ان کے ہمنواؤں نے پاکستان کی تخلیق کو ناقابلِ عمل قرار دیا اور اسے محض خواب وخیال کہا۔

خطبہ الٰہ آباد میں علامہ اقبال نے اس آزاد مملکت کے تصور پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی اور کیمبرج یونیورسٹی کے طالب علم چودھری رحمت علی نے مسلم آبادی کے اکثریتی علاقوں پنجاب، آسام، کشمیر، سندھ، بلوچستان وغیرہ کے تصور سے نئی مملکت کو پاکستان کا نام دے کر نوزائیدہ بچے کا نام پیدائش سے پہلے ہی تجویز کر دیا۔ انگریز، ہندو اور سکھ متحد ہو گئے لیکن ان مضبوط اور مربوط قوتوں سے ٹکرانے کے لیے قائداعظم نے ہندو پاک کے طوفانی دورے کیے اور دوقومی نظریے کی بنا پر ایک آزاد اور خودمختار مملکت کا مطالبہ کیا۔ اُنھوں نے قائداعظم کی آواز پر لبیک کہا۔ پھر کیا تھا 1909ء سے 23 مارچ 1940ء تک حکومتِ برطانیہ کے استحکامِ سلطنت کے تمام حربے ناکام رہ گئے۔ کوئی چال کامیاب نہ ہوئی۔ کوئی ایکٹ کارگر نہ ہوا کوئی حربہ استعمال میں نہ آیا۔ 1940 سے 1947 تک مسلمانوں کے جذبات واحساسات قائداعظم کی زبان بن گئے۔ پاکستان کا مطلب کیا لا الہٰ الااللہ محمد رسول اللہ۔ بن کے رہے گا پاکستان۔ لے کے رہیں گے پاکستان۔ ہماری شان، ہماری آن، قائداعظم کا فرمان کے نعرے ہر کس وناکس کی زبان پر تھے۔ ارادے پختہ ہوں، خدا پر یقین ہو تو منزل کی راہ کے لیے کانٹے پھول بن جاتے ہیں۔

اسی طرح قلبِ صمیم سے شروع کردہ تحریک 14 اگست 1947ء کو اپنی منزل پر آ پہنچی۔ 1857ء میں مسلم اقتدار کا بجھا ہوا چراغ نوے سال کے بعد دوبارہ طلوع ہوا۔ پاکستان ہمارے پاس قائداعظم کی امانت ہے۔ قائداعظم کو یاد کرنا ہمیں اپنے احتساب کی دعوت دیتا ہے۔ قائداعظم کی روح ہم سے سوال کرتی ہے کہ ہم نے کہاں تک اس امانت کی حفاظت کی۔ جو قومیں اپنے اکابر کے اقوال وافعال کو بھلا دیتی ہیں تاریخ انھیں فراموش کر دیتی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ قائداعظم کے ارشادات کے مطابق پاکستان کے استحکام وترقی اور خوشحالی کے لیے دن رات کام کریں۔ نظریۂ پاکستان کی بقاء اور سلامتی کے لیے اپنے ہمسایہ ملک کی سازشوں اور فوجی تیاریوں سے بچنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہیں۔ ایک وقت تھا ہمیں پاکستان کی ضرورت تھی اور اب قائداعظم کے پاکستان کو ہماری ضرورت ہے۔

بصارت سے محروم بچوں کے لیے بریل کی کتابوں کی تقریبِ رونمائی

بریل پریس نیشنل بک فاونڈیشن ریجنل آفس میں مورخہ ۱۸ نومبر ۲۰۲۱ کو بریل کی کتابوں کی رونمائی ہوئی ۔تقریب میں نور اللم اکیڈمی کے طلبہ اور اساتذہ نے شرکت کی ۔تقریب میں خاص بصارت سے محروم بچوں کے لیے دلچسپ کہانیوں کی رونمائی ہوئی جس میں قصص الانبیاء ، ارطغرل ، جان سے قیمتی اور سنڈریلا شامل ہیں اور جسے شرکا میں فری تقسیم کیا گیا۔

اسکے علاوہ پاکستان میں پہلی مرتبہ ریاضی کا بریل چارٹ بھی رونمائی کے لیے پیش کیا گیا۔ چارٹ کا مقصد بصارت سے محروم بچوں کے لیے ریاضی پڑھنے میں مدد دیتا ہے۔ چارٹ کی بصارت سے محروم بچوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے سب کی داد وصول کی۔ اسکے علاوہ تقریب میں مختلف ان جی اوز اور اسپیشل اسکول کے نمائندوں نے بھی شرکت کی ۔تمام شرکا نے این بی ایف کی بریل ٹائٹلز کے حوالے سے کاوشوں کو سراہا۔تقریب میں مفتی تقی عثمانی انسٹیٹیوٹ سے مس ملیحہ یوسف نے بچوں کو خاص لیکچر دیا۔تقریب کے شرکا میں مریم ویلفیئر ٹرسٹ کی جانب سے فری سٹکس بھی دی گئیں ۔تقریب میں کراچی یونیورسٹی کے اسپیشل ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ کے طلبہ نے بطور رضا کار شرکت کی۔

تقریب کے مہمان خصوصی این بی ایف کے مینیجنگ ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر راجہ مظہر حمید صاحب تھے جن کی تقریب میں خاص شمولیت نہ صرف ریجنل آفس بلکے بصارت سے محروم بچوں کے لیے بھی حوصلہ افزا تھی ۔ڈاکٹر راجہ مظہر صاحب نے ریجنل آفس اور بریل پریس کی پچھلے ایک سالہ کارکردگی اور کاوشوں کو خوب سراہا ساتھ ہی ساتھ اس بات کا عزم کیا گیا کہ آنے والے دنوں میں بصارت سے محروم بچوں کے لیے نہ صرف کہانیاں بَل کہ کورس کی کتابوں اور ریفرنس بک کی فراہمی بھی بنا کسی قیمت کے یقینی بنائی جائے گی۔اس کے علاوہ بریل کمپلیکس میں موجود لائبریری کو بھی مکمل فعال کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

تصویر: ظفر اقبال ظفر

اردو میں نعت گوئی کی ایک طویل تاریخ ہے۔نعت گوئی قریباً ہر قابلِ ذکر شاعر کے یہاں لازمی فرض کی سی حیثیت رکھتی ہے۔وہ شعرا جو باقاعدہ نعت گو شاعر نہیں بھی ہیں ان کے دیوان میں بھی نعت پر مشتمل دو چار نمونے ضرور ملتے ہیں۔گویا اردو میں نعت گوئی کی روایت اتنی ہی قدیم اور مسلسل ہے جتنی کہ خود اردو شاعری ہے۔البتہ اسے باقاعدہ صنف شعری کی حیثیت انیسویں صدی عیسوی میں حاصل ہوئی۔اس سلسلے میں ابتداء مولانا کفایت علی کیفی نے کی۔مولانا کفایت علی کا تعلق مراد آباد سے تھا جنھیں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شرکت کی پاداش میں تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا تھا۔نعت گوئی کو صنف کی حیثیت دلانے میں دوسرا اہم نام مولانا غلام امام شہید کا ہے۔بعدازاں حافظ لطف بریلوی کی مساعی قابلِ ذکر ہیں۔

تبصرہ: سید محمد علی بن عزیز

نعت کے ارتقائی سفر میں اس کے بعد محسن کاکوروی اور امین مینائی نے اسے مزید جلا بخشی۔یہ انیسویں صدی کے آخر ربع کا عہد تھا۔انھوں نے پہلی مرتبہ نعت کے دیوان مرتب کیے۔بالخصوص محسن کاکوروی نے اپنی تمام شعری صلاحیت فقط نعت گوئی پر صرف کی۔۱۸۵۷ء کے بعد کے عہد میں متعدد شعرا نے نعت گوئی میں مساعی کی سعادت حاصل کی۔اس ذیل میں مولانا الطاف حسین حالی کی مسدس کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔یہ الگ بات ہے کہ حالی کے ''مقدمہ شعروشاعری'' میں نعت گوئی کے حوالے سے کچھ بھی نہیں کہا گیا۔بہرحال حالی کے اس اسلوب کا تتبع شبلی نعمانی، مولانا ظفر علی خان اور اقبال کے یہاں ملتا ہے۔اس عہد میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کے یہاں نعت پر خصوصیت سے توجہ دی گئی۔قیام پاکستان کے بعد نعت گوئی کا ایک اور عہد وجود میں آیا۔

اردو نعت میں امیر مینائی کے یہاں محسن کاکوروی کی نعت گوئی کا دفاع اردو میں پہلی تحقیقی وتنقیدی تحریر تھی جو خالصتاً نعت گوئی کے حوالے سے ہوئی۔بعدازاں محمد حسن عسکری نے اپنی تحاریر سے اسے مزید واضح کیا۔

ظفر اقبال ظفر جھنگ کے معروف شاعر ہیں۔سلام، منقبت، حمد و نعت، غزل اور نظم کی اصناف میں سخن وری کرتے ہیں۔عروض، نغمگی اور مصروف شعری زمینوں کو کلام میں نہایت عمدگی سے برتتے ہیں۔ان کی شاعری کے کئی دیگر مجموعے بھی اُس سے قبل شائع ہو چکے ہیں۔

حال ہی میں ان کا دیوانِ نعت ''حضور آپ ﷺ'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔سرورق نہایت سادہ اور جاذبِ نظر ہے۔اس پر درج ذیل منتخب نعتیہ اشعار دیئے گئے ہیں۔

کچھ نہ تھا کونین میں کونین میں کچھ بھی نہیں
آپ کی صورت سے پہلے آپ کی سیرت کے بعد
عمر دُنیا کی یہی شاید تریسٹھ سال تھی
آپ کی ہجرت سے پہلے، آپ کی ہجرت کے بعد

یعنی سرورق میں ہی نظر آتا ہے کہ اظہارِ عقیدت کا ڈھنگ اور اسے شعر میں برتنے کا فن کتنا عمدہ ہے اور اسلوب کیسا پختہ اور دل آفریں ہے۔مصرع رابع میں لفظ ہجرت کو کثیر المعنوی انداز میں برت کر گرہ لگائی ہے۔

ابتدائی صفحے کے فلیپ پر ڈاکٹر نثار ترابی نے انھیں ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

''تخلیق کے سرشار لمحوں میں سوز دروں کی تمنائے بے تاب کا احساس دل میں جگا کر عقیدت واردات و مرّوت کی ہم نوائی میں شب و روز بسر کرنا ظفر اقبال کو صاحبانِ توفیق سخن وروں کی صف میں شامل کر دیتا ہے''

ڈاکٹر رانا محمد رمضان کے بقول:

''منفرد لہجے کے غزل گو شاعر ظفر اقبال ظفر نے رثائی ادب کو ایک نئی جہت فراہم کر کے مرثیہ نگاری میں نام پیدا کیا اور اب نعت گوئی میں بھی ان کا خوبصورت اظہار نئے امکانات کا سنگِ میل قرار پائے گا۔

کتاب کے آخر میں حمیدہ معین رضوی کے اظہارِ خیال سے ایک اقتباس پیش ہے:

''یقیناً یہ کسی بہت صالح ماں کی اولاد ہیں۔جس دربار میں انھیں مدحت کی سعادت حاصل ہوئی ہے وہاں قابلیت سے نہیں بلکہ قبولیت سے اذنِ گفتار حاصل ہوتا ہے، اگرچہ نعتیہ ہو''

ڈاکٹر جاوید منظر کے نزدیک:

"ظفر انتہائی خوش قسمت ہیں کہ وہ اس نعمت (عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نعمت) سے سرشار ہیں"

مفتی مسعود الحسن محمود نے اس بابت جو کہا اس سے اقتباس ملاحظہ ہو:

"ظفر نے عشق وعقیدت کے اظہار میں سطحی روایات اور روایتی انداز پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ فکرِ رسول صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی جانب بھی متوجہ کرتے ہیں"

اس مجموعۂ نعت میں کل ایک سو چوالیس صفحات ہیں جن میں ایک سو تیس نعتیں شامل کی گئی ہیں۔

ظفر کی شاعری کی بالعموم اور نعتیہ شاعری کی بالخصوص ندرت یہ ہے کہ قدیم انداز برقرار رکھتے ہوئے جدید افکار، خیالات، تراکیب اور محاورے کو نہایت عمدگی اور میانہ روی سے برتتے ہیں۔ نیز تخیل سے قوتِ عمل کی طرف اُبھارنے میں اپنے فنِ شاعری کو بخوبی کام میں لاتے ہیں۔

تشنگانِ علم وادب اور عشاقِ رسول صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لیے یہ مجموعہ نعت تسکینِ ذوق کے ساتھ ساتھ باعثِ سعادت ونہایت بھی ہوگا۔ اللہ ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرما دے۔

کتاب:	حضور آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم
مصنف:	ظفر اقبال ظفر
قیمت:	400/-
صفحات:	144
پبلشر:	ثاقب پبلی کیشن شجاع آباد

نیشنل بک فاؤنڈیشن

پاکستان میں اپنی نوعیت کا واحد

Book Review

ماہنامہ کتاب

معروف تبصرہ نگار

آپ کو

کتابوں کی دنیا کے دورے پر لے کر جاتے ہیں

ماہنامہ کتاب میں کسی تازہ کتاب پر تبصرہ شامل کروانے کے لیے مصنف اور تبصرہ نگار اپنی بڑی سائز کی تصاویر بمع CV اور کتاب کی ایک کاپی ہمیں درج پتہ پر بھیج سکتے ہیں۔

ادارہ کسی بھی تبصرے کو ایڈٹ کرنے اور ماہنامہ کتاب\Book Review میں شامل کرنے یا نہ کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

ایڈیٹر، ماہنامہ کتاب

نیشنل بک فاؤنڈیشن

6 ماوا ایریا تعلیمی چوک G-8/4 اسلام آباد

فون: 051-2255572, 9261125 فیکس: 051-2264283

ای میل: kitabrisala@nbf.org.pk

ویب سائٹ: www.nbf.org.pk

مصنف: محمد حفیظ خان

میں نے پہلے بھی کہیں لکھا تھا کہ میں نے جب بھی حفیظ خان کی تخلیقات کو پڑھا، اوران کی پے درپے کامیابیوں اور اعزازات کے متعلق سنا، بے اختیار غلام عباس کا افسانہ ''بہروپیا'' یاد آیا۔ مجھے حفیظ خان وہی بہروپیا لگے جو رنگ رنگ کے سوانگ رچا کر رئیس اعظم کی حویلی میں آیا کرتا۔کبھی خاکی کوٹ اور پتلون پہنے چمڑے کا تھیلا گلے میں لٹکائے نرم کمانیوں والی عینک ناک پر ٹکائے چٹھی رسان بنا بیرنگ خط کے دام وصول کرتا،کبھی تن پر بھبھوت رمائے ہاتھ میں لمبا چمٹا پکڑے ''بم مہا دیو'' کا نعرہ لگاتا جٹا دھاری سادھو بنتا،کبھی ماتھے پر سیندور، کانوں میں سنہری بالے اور بغل میں سرخ بہی دابے مہاجن کا روپ دھارتا، تو کبھی سرمہ فروش بنا سرمہ نین سکھ بیچتا دکھائی دیتا۔ وہ گوالا بنتا یا پنواڑی، صوفی درویش دکھائی دیتا یا سادھو سنت۔ اس کا ہر روپ اسلم اور مدن کو لبھاتا اور اس کی اصل ذات و شخصیت کے متعلق جاننے اور دیکھنے کے اشتیاق اور تجسس کو فزوں کرتا لیکن اس بہروپیے کے ان گنت روپ تھے، اور ہر ایک اس قدر کامل و اکمل کہ ان دونوں نے اس کا اصل روپ دیکھنے کے خیال کو ناممکن جان کر دل سے نکال ہی دیا۔

تبصرہ: ڈاکٹر عصمت دُرانی

بعینہ، حفیظ خان کی علمی وادبی شخصیت کے کئی روپ اور متعدد جہتیں ہیں۔ انھوں نے بھی اظہار و انکشافِ ذات کے لیے کئی سوانگ بھرے اور روپ رچائے۔ افسانہ، ناول، ڈرامہ، شاعری، کالم نگاری، تاریخ، تحقیق، تنقید، معلّمی، قانون دانی اور بیورو کریسی، بقول سعدی: کہ کرد ہر صدفی را بہ لولوی حامل۔ یہ تمام کردار اس قرینے سے نبھائے کہ ان میں سے ہر ایک انھی کا خاصہ ٹھہرا۔ اتنا اصل اور اصیل کہ زِیرکی و دانش اس بابت امتیاز کر سکے نہ فیصلہ، لیکن شدت سے اگلے روپ کی منتظر بھی رہے۔

اس بار انھوں نے منتارا کا روپ دھارا ہے۔ منتارا سے مراد وہ شخص ہے، جسے تیرنا نہیں آتا، لیکن وہ اس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ ماہر تیراک ہے۔ یہ ناول سیاہ سیاست کی سیاہ کاریوں کی داستان ہے۔ حکومتیں بنانے اور گرانے کی سیاہ تاریخ کے سیاہ ترین ابواب پر مشتمل۔ سیاست کی غلام گردشیں، روزِ حشر کے میدان کی سی ہیں، جس میں نہ کوئی کسی کا باپ ہے، نہ بھائی نہ بیٹا۔ خواہ عثمانی شہزادے ہوں یا مغل بادشاہ۔ بے بصیرتوں کے ہاتھوں بصارت چھنے شہزادوں کی بے نور آنکھیں دیکھ لیجیے، یا محل کی فصیل سے لٹکتی ان کی سر بریدہ لاشیں۔ لطف کی بات یہ کہ حصولِ اقتدار کا یہ خون آشام کھیل بے کنار ہے۔ جس کے کھلاڑی لائے جاتے ہیں، کھلائے جاتے ہیں اور اپنی موت آپ مار دیئے جاتے ہیں۔ کیفیت و کمیت سے کسی کو آگاہی نہیں۔

لطف کی بات یہ کہ کولمبو اور پھوکٹ کے حسین ساحلوں کی لطافتوں اور گم نام گولیوں اور خودکش دھماکوں کی غلاظتوں و کثافتوں پر مشتمل سیاسی قحبہ گیریوں اور سوال طلب نظام کی یہ کہانی گھر کے بھیدی کے ہاتھوں گھر میں بیٹھ کر ہی لکھی گئی۔

منتارا پر تبصرہ، تحلیل و تجزیہ ادبی نقادوں کے ذمے۔ میری استطاعت و بضاعت سے باہر۔ فقط اتنا کہوں گی حفیظ خان کے ہاں نسوانی کردار اس قدر طاقت ور، دل ربا اور سحر انگیز ہیں کہ مردانہ کرداران کے آگے دم سادھے ہاتھ باندھے کھڑے نظر آتے ہیں۔ ادھ ادھورے لوک سے نمو یافتہ میرا یہ گمان منتارا تک پہنچ کر تن آور ہوا کہ حفیظ خان پچھلی چھ جنموں میں ضرور کوئی عورت رہے ہیں۔ خدا کے بھید اسی کو پتا کہ اب ساتواں جنم کس مصلحت کے تحت مرد کی صورت ہوا۔ وہ جس مہارت و کاملیت سے نسوانی نفسیات کی تمام تر اتار چڑھائیوں، نشیب و فراز اور پیچیدگیوں کو جانتے ہیں اور بیان کرتے ہیں، کم از کم میرے لیے حیران کن ہے۔

اب بھلا حفیظ خان کو کیسے خبر ہو سکتی ہے کہ عورت سرعت سے محبت اوڑھتی ہے مگر عیاں نہیں ہونے دیتی۔ مرد اسے محبت جتلانے کے عمل میں کھنگالتا رہتا ہے، تمام تر تاخیر کو پسِ پشت ڈال کر مگر جیسے ہی دونوں کے حقیقی اور قلبی وصل کا مرحلہ آتا ہے، مرد محبت میں فنا کی منزل پر پہلا قدم رکھ رہا ہوتا ہے، مگر عورت محبت ترک کرنے کی جانب اپنا آخری قدم بڑھا رہی ہوتی ہے۔ انھیں کیسے پتا کہ عورت کو وفادار مرد چاہیے ہی نہیں ہوتا، وہ تو اسی پر فریفتہ کہ جس کے ٹھوکر مار کر چلے جانے کا ہر وقت دھڑ کا لگا رہے۔ یہ دھڑ کا، یہ خدشہ یہ خوف ہی تو محبت ہے، ورنہ مرد کی وفاداری تو عورت کے لیے بھنگ کے پیالے ایسی ہے جو نسائی خواہشات تو کیا، جسمانی حسیات تک کی ناس مار کر رکھ دیتی ہے۔ ہر طرف سکوت، ہر طرف شانتی۔ خدشہ اگر مٹی کی مٹھ کی چوری کا بھی ہو تو۔

کتاب: منتارا (ناول)
مصنف: محمد حفیظ خان
قیمت: -/680 روپے
صفحات: 222
پبلشر: صریر پبلشرز، اسلام آباد

General Books
of
National Book Foundation
Published during 2020-2021

-50%
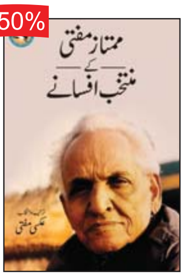

Price: Rs.480/-

-50%
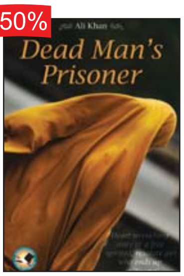

Price: Rs.465/-

-50%
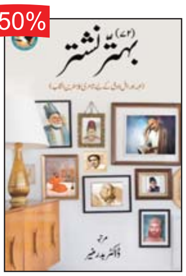

Price: Rs.480/-

-50%
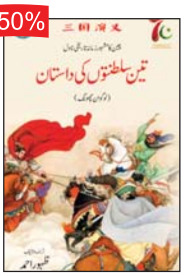

Price: Rs.1070/-

-50%
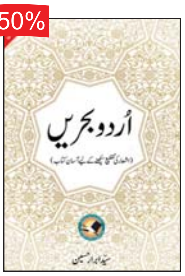

Price: Rs.280/-

-50%

Price: Rs.380-

-50%

Price: Rs.200/-

-50%
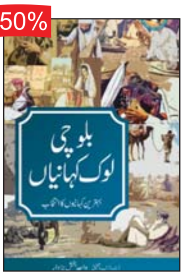

Price: Rs.240/-

-50%
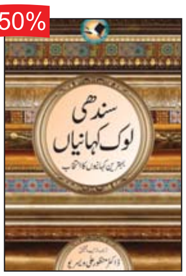

Price: Rs.200/-

-50%
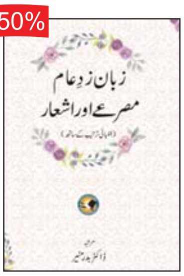

Price: Rs.200/-

-50%
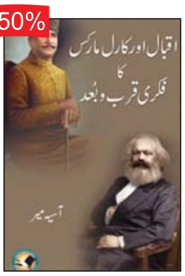

Price: Rs.170/-

-50%
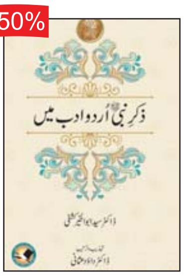

Price: Rs.220/-

-50%

Price: Rs.150/-

-50%
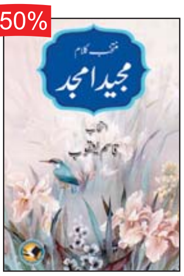

Price: Rs.170/-

-50%

Price: Rs.280/-

-50%
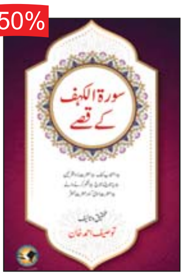

Price: Rs.150/-

-50%
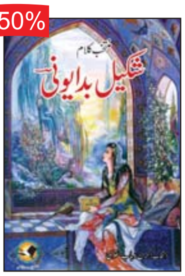

Price: Rs.140/-

-50%
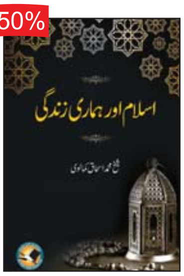

Price: Rs.170/-

-50%
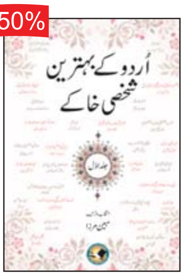

Price: Rs.330/-

-50%
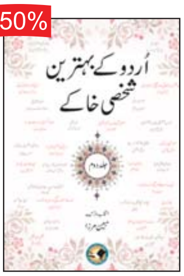

Price: Rs.300/-

-50%
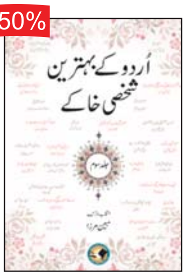

Price: Rs.310/-

-50%
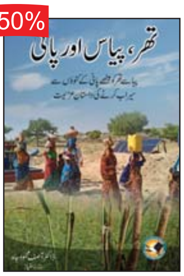

Price: Rs.210/-

-50%
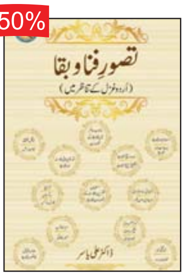

Price: Rs.410/-

-50%
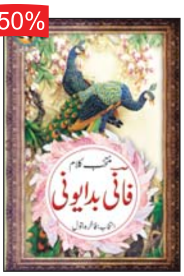

Price: Rs.170/-

-50%

Price: Rs.100/-

-50%
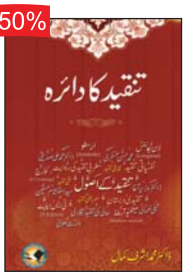

Price: Rs.220/-

-50%
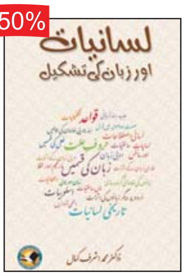

Price: Rs.170/-

-50%
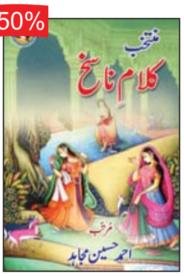

Price: Rs.160/-

-50%
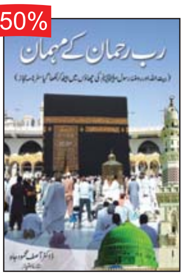

Price: Rs.190/-

-50%
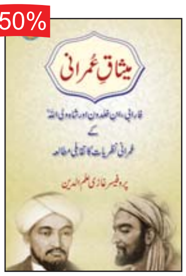

Price: Rs.170/-

6-Mauve Area, Taleemi Chowk, G-8/4, Islamabad.
Phone: 051-9261125, 9260391, 0301-5008019
E-mail: books@nbf.org.pk, Website: www.nbf.org.pk
Facebook: www.facebook.com/nbfisb, Twitter: www.twitter.com/nationalbook1

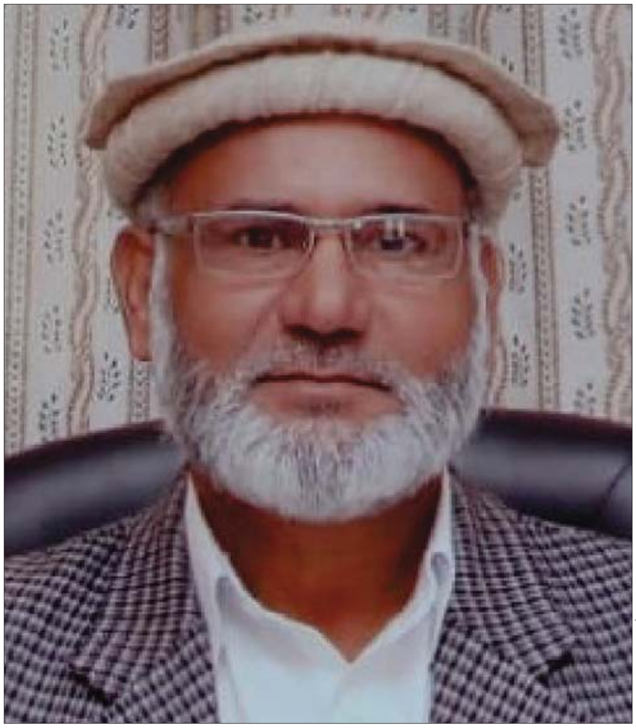

مصنف: غازی علم الدین

''عُمرانیات'' انسانی معاشرے کا اہم ترین موضوع ہے اور اس کے آثار اُن ادوار میں بھی تلاش کیے جاسکتے ہیں جب انسان ''قانونِ قدرت'' کے تحت فطری زندگی بسر کر رہا تھا۔ دنیا بھر کے علوم میں عُمرانیات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہ وہ علم ہے جو انسان کے ارتقاء سے لے کر درجہ بدرجہ ذہنی، فکری، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی ترقی کو زیرِ بحث لاتا ہے۔ غرضیکہ اس کے دائرہ کار کی وُسعت پوری انسانی زندگی پر محیط ہے۔ اس علم کی جڑیں مسلم مفکرین کے نظریات کی زمین میں پیوست ہیں جن میں فارابی، ابن خلدون اور شاہ ولی اللہ جیسی عظیم شخصیات شامل ہیں۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم عُمرانیات کا مطالعہ کرتے ہوئے مغربی مفکرین کے نظریات کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں جب کہ مسلم مفکرین کے افکار پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے گزر جاتے ہیں حالاں کہ مسلم مفکرین ہی وہ چراغ ہیں جن سے دنیا بھر کے اہلِ فکر و نظر نے اپنی شمعیں روشن کیں۔

تبصرہ نگار: میاں مختار احمد کھٹانہ

پروفیسر غازی علم الدین نے فارابی، ابنِ خلدون اور شاہ ولی اللہ کی فکری اور نظری تحریکوں اور اُن کے افکار کا صحیح سمت میں مطالعہ کیا ہے۔ تینوں نے عُمرانیات کے متعلق جو تصورات اپنے اپنے زمانوں کی حقیقتوں کو سامنے رکھتے ہوئے پیش کیے تھے آج ہمیں اُن کو پڑھنے کی اشد ضرورت ہے۔ ان تینوں کے افکار کا مطالعہ کرتے ہوئے پروفیسر صاحب نے مغربی فلسفیوں کے عُمرانی تصورات کا جائزہ بھی لیا ہے۔ اُنھوں نے ہابس، جان لاک اور روسو کے نظریات کا تقابلی جائزہ اس لیے پیش کیا ہے کہ ہمارے سامنے مغرب میں چلنے والی فلسفیانہ تحریکیں سامنے آجائیں کہ انھوں نے کس معاشرت اور کس سماجی اور اخلاقی فلسفے پر زور دیا اور کیوں مقبولیت حاصل کی۔ یہ ماہرینِ سماجیات کا کام ہے کہ وہ ہمارے معاشرتی تناظر میں ایسے تصورات کی بازیافت کریں جو ہمارے لیے ضروری ہوں۔

پروفیسر غازی علم الدین دانش ور اور محقق ہونے کے ساتھ ساتھ عربی علوم پر بھی دسترس رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے عربی کتب سے بھرپور استفادہ کیا اور میثاقِ عُمرانی کا ہر پہلو سے جائزہ لیتے ہوئے، انتہائی محنتِ شاقہ کے ساتھ اسلامی اور مغربی مفکرین کے نظریات کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے میثاقِ عُمرانی کو قرآن کی روشنی میں صحیح تناظر کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر اتنا سادہ ہے کہ کہیں بھی کوئی لفظ سلاست و روانی کی راہ میں حائل نہیں ہوتا اور قاری بہت آسانی کے ساتھ مشرقی و مغربی مفکرین کے نظریات سے روشناس ہو کر اسلام میں ریاست و خلافت کے تصور سے آگاہی حاصل کرتا ہے۔

موجودہ بدامنی و انتشار کے دور میں میثاقِ عُمرانی کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے، اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ کتاب وقت کی اہم ترین ضرورت ہے اور پروفیسر صاحب نے اس اہم ضرورت کو سمجھتے ہوئے علَمِ جہاد بلند کیا ہے۔ انھوں نے پاکستانی معاشرت میں معاہدہ عُمرانی کی تشکیلِ جدید کا مسئلہ بیان کر کے عوامی اُمنگوں کی نہ صرف ترجمانی کی ہے بلکہ خشتِ اوّل بھی رکھ دی ہے۔ میثاقِ عُمرانی فکر و شعور کے دریچے وا کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کو معاشرے کے ساتھ ہم آہنگ رہنے کا سلیقہ بھی سکھاتا ہے۔ یہ ماضی، حال اور مستقبل کی ایسی دستاویز ہے جس سے ہر طبقۂ فکر کے لوگ استفادہ کر سکتے ہیں۔ پروفیسر غازی علم الدین اس تحقیقی کاوش کے لیے بے حد مبارک باد کے مستحق ہیں۔

کتاب:	میثاقِ عُمرانی
مصنف:	پروفیسر غازی علم الدین
قیمت:	-/170 روپے
صفحات:	160
پبلشر:	نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

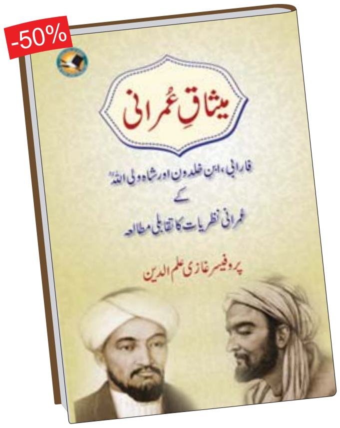

نیشنل بک فاؤنڈیشن کے ایم ڈی کا این بی ایف، پشاور کا دورہ اور چیئرمین خیبر پختونوا ٹیکسٹ بک بورڈ سے ملاقات

نیشنل بک فاؤنڈیشن کے مینجنگ ڈائریکٹر نے حیات آباد میں واقع نیشنل بک فاؤنڈیشن کے صوبائی دفتر کا دورہ کیا۔ وزارت ایجوکیشن اسلام آباد کے زیرانتظام چلنے والے نیشنل بک فاؤنڈیشن کے مینجنگ ڈائریکٹر ڈاکٹر راجہ مظہر حمید کا استقبال انچارج پشاور آفس جناب فضل الرحمان اور دیگر حکام نے کیا۔ بعدازاں ایم ڈی نے صوبائی ٹیکسٹ بک بورڈ کے چیئرمین علی قادر صافی سے ملاقات کی اور ان سے باہمی امور پر مشاورت کی۔ ڈاکٹر راجہ مظہر حمید نے چیئرمین ٹیکسٹ بک بورڈ کو یکساں نصاب تعلیم کے حوالے سے نیشنل بک فاؤنڈیشن کی جانب سے تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ ملاقات میں مختلف امور بھی زیرغور آئے جبکہ کتب کے حوالے سے بھی چیئرمین ٹیکسٹ بک بورڈ نے ایم ڈی نیشنل بک فاؤنڈیشن کو یقین دہانی کرائی۔ اس موقع پر سابق ڈائریکٹر کے پی نیشنل بک فاؤنڈیشن مراد علی مہمند بھی موجود تھے ایم ڈی این بی ایف نے نیشنل بک فاؤنڈیشن کی جانب سے شائع ہونیوالی کتب پر پچاس فیصد ڈسکاؤنٹ کی بھی منظوری دی۔ واضح رہے کہ ایم ڈی این بی ایف نے دوملین روپے کی یکساں نصاب تعلیم کی کتب لوئر اپر دیر چترال سمیت ضلع تورغر میں تعلیمی اداروں کے لیے عطیہ کی ہیں جبکہ کتب کلچر کے فروغ کے لیے دیگر اقدامات کے ساتھ ساتھ زمونگ کور سٹریٹ چلڈرن میں پڑھنے والے بچوں کے لیے کتب بھی مہیا کی ہیں۔

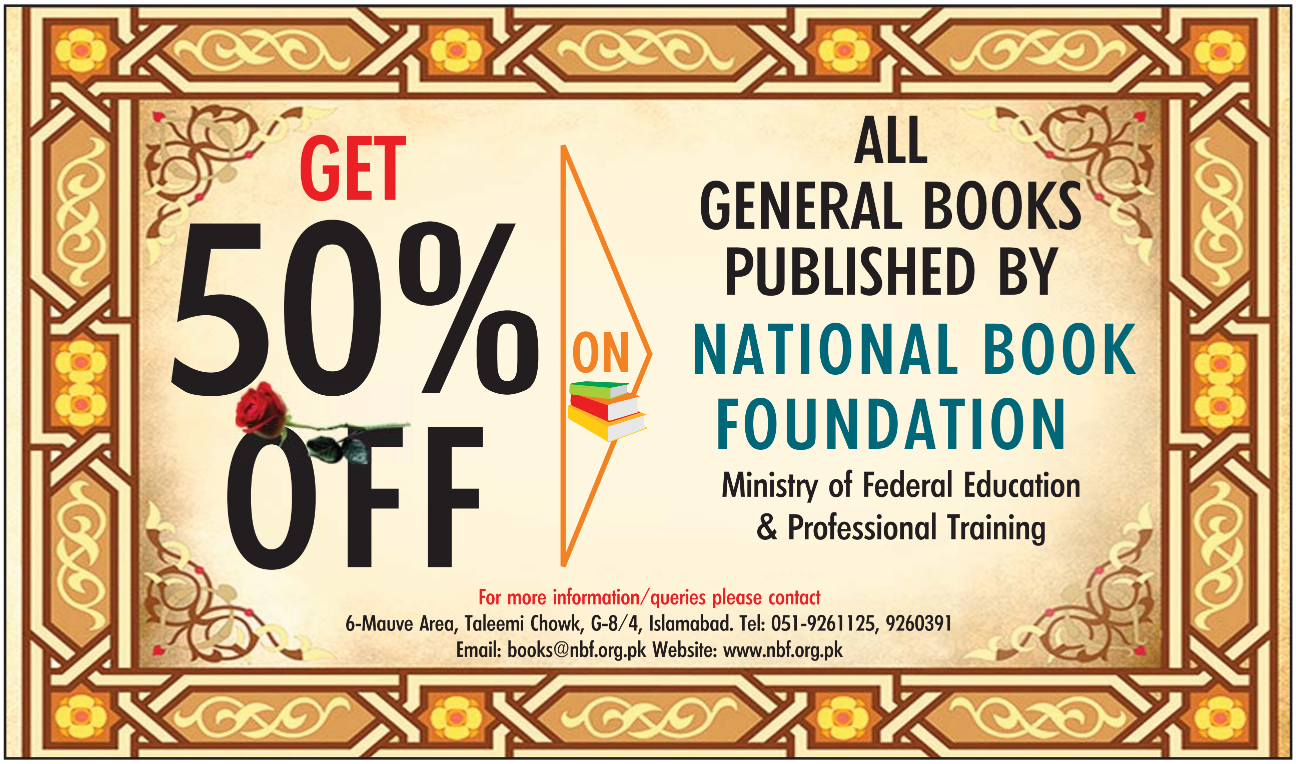

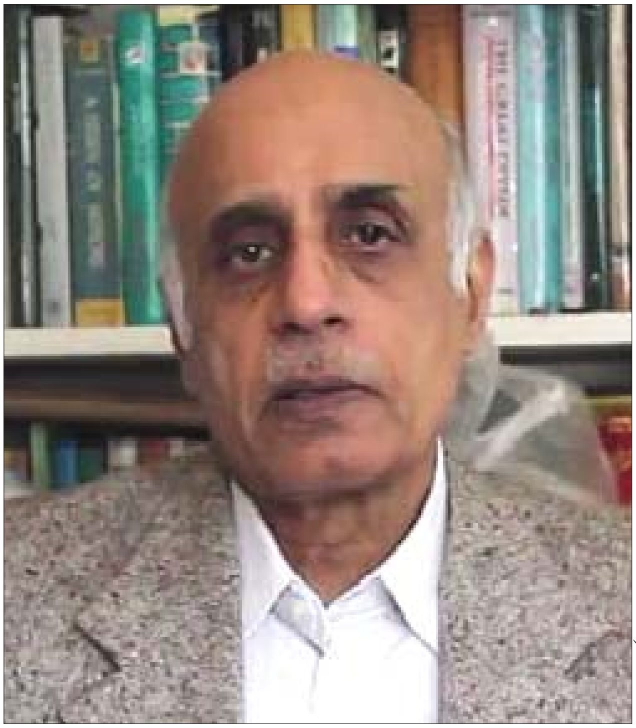

مصنف: ڈاکٹر صفدر محمود

قیام پاکستان کے بعد سے حاسدین اور بدخواہوں نے گویا پاکستان مخالف قلعے کا مورچہ سنبھال لیا ہے۔ وہ شروع ہی سے پاکستان کی ہرزہ سرائی میں خود کو مصروف رکھے ہوئے ہیں۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ پاکستان کا قیام رمضان المبارک کی 27 ویں شب میں ربُ العزت کا ایک تحفہ ہے جو بقول قائداعظم محمد علی جناح کے، یہاں اسلامی اصولوں کو آزمایا جائے گا۔ اتنی بڑی مملکت وجود میں آگئی جس کی جدوجہد کی کہانی طویل ہے مگر اس میں حیران کُن بات یہ ہے کہ اس کے بانی یا دیگر رہ نماؤں نے ایک گولی بھی نہیں چلائی اور نہ ہی تلوار اُٹھائی۔ ٹیبل ٹاک (مذاکرات) ہی نے ناممکن کو ممکن بنا کر دکھایا۔ مجبوراً اُن لوگوں کو ہندوستان کی تقسیم اور قیام پاکستان کا فیصلہ ماننا پڑا جو اس کے بدترین مخالف تھے۔ ہاں اس سفر میں ہندوؤں اور سکھوں کی نفرت اور وحشی پن سے لاکھوں مسلمانوں کو تہِ تیغ کیا۔ ہزاروں عورتوں کی بے حرمتی کی۔ اس سفرِ ہجرت میں معصوم کلیوں نے بھی اپنی جان کا نذرانہ دے کر ہماری آزادی کے سفر کو ممکن بنانے میں اپنا کردار ادا کیا۔

تبصرہ: غلام حسین میمن

اس عظیم مملکت کے باسیوں میں آج بھی ایسے لوگ ہیں جو پاکستان کے خلاف زہر اُگلنے اور ہمارے رہ نماؤں کا قد کم کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر صفدر محمود اُستاد اور بیوروکریٹ رہے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح اور تحریکِ پاکستان کے مثبت پہلوؤں کا دفاع کرنا اپنا مشن بنا لیا تھا۔ کوئی بھی ان موضوعات پر بے بنیاد بات کرتا یا لکھتا تو ڈاکٹر صفدر محمود دلائل اور ثبوت کے ساتھ اپنا موقف بیان کر کے اس افراس کی شدت سے نفی کرتے۔

بدقسمتی سے گزشتہ ایک عشرے کے دوران جہاد پاکستان پر کئی حوالے سے اعتراضات کیے جارہے ہیں، وہیں قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت کو بھی مسخ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کچھ عرصے سے قائداعظم کی 11 اگست 1947ء والی تقریر کے ذریعے اُنھیں سیکولر ثابت کر کے پاکستان کو سیکولر ریاست کا درجہ دلانے کا ناکام تجربہ بھی کیا جارہا ہے۔

حالیہ برسوں میں ایک اور افسانہ بیان کیا جارہا ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے جگن ناتھ آزاد سے پاکستان کا قومی ترانہ لکھوایا تھا جو ریڈیو پاکستان سے کافی عرصے تک بجتا رہا۔ ڈاکٹر صفدر محمود اس کی کھوج میں آخری حد تک گئے۔ انھوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے اے ڈی سی عطار ربانی اور ریڈیو پاکستان کے عہدیدار انصار ناصری سمیت کئی لوگوں سے ذاتی ملاقات کی اور اس بیان کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کی۔ سب نے ہی اس فسانے کو بے بنیاد اور لغو قرار دیا۔ عطار ربانی نے کہا کہ ایسی کوئی شخصیت قائداعظم سے کبھی ملی ہی نہیں۔ دوسری بات کہ اُس وقت 29 سالہ شاعر جگن ناتھ آزاد غیر معروف بھی تھا اور اُس کی قائداعظم محمد علی جناح تک رسائی ناممکن تھی سوم یہ کہ قائداعظم اصول پسند رہ نما تھے۔ وہ بغیر کابینہ کے کوئی منظوری لیے کوئی کام کرنے کے روادار نہیں تھے چہ جائیکہ قومی ترانہ ریڈیو پاکستان سے نشر ہو جائے۔

انھوں نے اس سلسلے میں ریڈیو پاکستان کے آرکائیو میں جا کر سرکاری دستاویزات سے اس بات کی تصدیق کی کہ اس فسانے کا کوئی ثبوت وہاں نہیں ہے۔ روزانہ نشر ہونے والے پروگراموں اور نغمات کا شیڈول بھی دیکھا تو وہ اس قسم کے بے بنیاد بیانیے سے عاری نکلا۔ ہاں 1954ء میں ابوالاثر حفیظ جالندھری کے قومی ترانے کے ہر طرح کے ثبوت ملے۔

یہ اور اس جیسے کئی اور مغالطے اس کتاب کا موضوع ہیں جو ہر قاری اور بالخصوص نوجوان نسل کے اذہان میں موجود اس طرح کے شکوک وشبہات کو دور کرنے میں اپنا کردار ادا کرے گی۔

قائداعظم کی ذات پر ایک اور بڑا حملہ اُن کے آخری دن زیارت سے کراچی آمد کا ہے جب خراب ایمبولینس کی بنیاد پر یہ افسانہ گھڑ لیا گیا کہ یہ قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ زیادتی کی گئی تھی۔ اس موضوع پر تفصیلاً لکھ کر انھوں نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس موضوع پر اس سے قبل قائداعظم کے معروف سوانح نگار رضوان احمد بھی اپنی کتاب "میرے قائدِ اعظم" میں تفصیلاً وضاحت کر چکے ہیں۔

طلبہ وطالبات کے ساتھ ساتھ وہ قارئین جو پاکستان اور قائداعظم سے متعلق دلچسپی رکھتے ہیں، اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ 238 صفحات پر مشتمل اس کتاب کو قلم فاونڈیشن انٹرنیشنل 'لاہور نے شائع کیا اور ایک سال کے دوران اُس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہو گیا۔ آخر میں طلبہ وطالبات کے لیے حیاتِ قائداعظم کا سال بہ سال جائزہ بھی شامل ہے۔

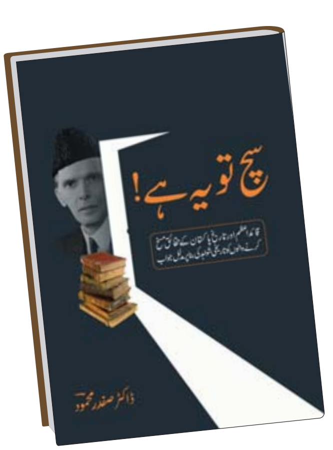

کتاب:	سچ تو یہ ہے
مصنف:	ڈاکٹر صفدر محمود
قیمت:	600/-
صفحات:	238
پبلشر:	قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل لاہور

کتب بینی ۔ سروے

ڈاکٹر خالد اقبال یاسر، A-33، ڈیفنس روڈ، نیو لالہ زار، راولپنڈی

۱۔ آپ کو کتاب پڑھنا کیسا لگتا ہے۔

کتاب کا مطالعہ معلومات میں اضافہ کرتا ہے۔ اگر کوئی کتاب علمی ہو اور کم دلچسپ ہو تو اس کا مداوا بھی کتاب ہی ہوتی ہے۔ سنجیدہ کتاب کے مطالعے کو جاری رکھتے ہوئے درمیان میں آپ کوئی دلچسپ اور مزاحیہ کتاب پڑھ لیا کریں۔

۲۔ کس قسم کی کتابیں پڑھنا پسند کرتے ہیں؟

میں ہر طرح کی کتابیں پڑھتا ہوں یا پڑھ لیتا ہوں۔ حسبِ موقع اور حسبِ ضرورت ناول، افسانے، مزاح، انشائیے سے لے کر قوانین اور فلسفے کی کتابوں تک بلکہ جاسوسی ناول اور تاریخی ناول بھی۔

۳۔ حال ہی میں کون سی کتاب پڑھی ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی کا ناول ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' اور خالد فتح محمد کا ناول ''خلیج''، ریاظ کا ناول ''شجرِ حیات'' سرہانے رکھا ہوا ہے۔

۴۔ نوجوانوں میں کتب بینی کے فروغ کے لیے آپ کی کیا تجاویز ہیں؟

کتابوں کو اس طریقے سے Digitalize کریں کہ طلبہ اور نوجوان انھیں دلجمعی اور توجہ سے پڑھ سکیں۔

کتابوں کی طباعت کو جدید اور دیدہ زیب بنائیں خاص طور پر درسی کتب کو۔

اُردو زبان اور انگریزی زبان کی دسترس کو بہتر اساتذہ اور طریقۂ تعلیم سے بہتر بنائے بغیر کتاب کی طرف نوجوانوں کو راغب نہیں کیا جاسکتا۔

عظمیٰ عتیق، 529-4C/2، گلی نمبر 3، غوری ٹاؤن، اسلام آباد

۱۔ آپ کو کتاب پڑھنا کیسا لگتا ہے۔

فرصت کے اوقات میں کتاب پڑھنا بہترین مصروفیت ہے اس لیے مجھے کتاب پڑھنا پسند ہے۔

۲۔ کس قسم کی کتابیں پڑھنا پسند کرتے ہیں؟

دینی کتب اور ناولز

۳۔ حال ہی میں کون سی کتاب پڑھی ہے۔

ناول ''پری زاد'' تحریر: ہاشم ندیم

۴۔ آپ کی زندگی میں کتاب کی کیا اہمیت ہے۔

کتاب تنہائی اور فرصت کے اوقات میں بہترین دوست ہے۔

۵۔ نوجوانوں میں کتب بینی کے فروغ کے لیے آپ کی کیا تجاویز ہیں؟

اچھی اور معیاری کتب کی دستیابی جن سے آج کی نسل کی تربیت ہوسکے۔

طاہرہ غزل، مکان نمبر 25، B-14 عباسی سٹریٹ، بنی گالا، اسلام آباد

۱۔ آپ کو کتاب پڑھنا کیسا لگتا ہے۔

مجھے کتاب پڑھنا ہمیشہ سے اچھا لگتا ہے کیونکہ کتابیں، تاریخ، ادب اور وقت کے سمندر میں روشنی کے میناروں کی طرح ایستادہ رہتی ہیں۔

۲۔ کس قسم کی کتابیں پڑھنا پسند کرتے ہیں؟

مجھے فنونِ لطیفہ سے متعلق ہر کتاب سے دلچسپی ہے، تاہم تاریخ، سوانح، شاعری اور افسانہ و ناول سے متعلق کتابیں ہمہ وقت میری دسترس میں رہتی ہیں۔

۳۔ حال ہی میں کون سی کتاب پڑھی ہے۔

چند دنوں سے پہلے میں نے ممتاز صحافی، شاعر اور دانشور سجاد اظہر کی نثری نظموں کی کتاب ''لنڈی کوتل کی لالٹین'' پڑھی اور بہت اچھی لگی۔

۴۔ آپ کی زندگی میں کتاب کی کیا اہمیت ہے۔

کتاب کے بغیر میں بالکل ادھوری ہوں۔ میں سمجھتی ہوں جس شخص کی زندگی کتابوں سے خالی ہو جائے اُس کی زندگی محبت سے بھی خالی ہو جاتی ہے۔

۵۔ نوجوانوں میں کتب بینی کے فروغ کے لیے آپ کی کیا تجاویز ہیں؟

نیشنل بک فاؤنڈیشن کتاب کے فروغ اور کتب بینی کے سلسلے میں نمایاں کردار کا حامل قومی ادارہ ہے۔ ہمیں وہ تمام اقدامات کرنا ہوں گے جس سے ہم نئی نسل کو کتاب کی طرف راغب کرسکیں۔ ہمیں پڑھنے کی عادت کو فروغ دینا ہوگا اور میڈیا کو اس ذمہ داری کو قبول کرنا چاہیے۔

مصنفہ: آسیہ میر

اقبال آج سے سو سال پہلے کے نہیں بلکہ آج ہی کے شاعر و مفکر ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اقبال نے اپنی آفاقی شاعری میں مضامینِ قرآن کو خوب سے خوب تر انداز میں بیان کیا تاہم آپ سائنسی مضامین کی بھی بہترین توجیہات بیان کرتے ہیں۔ یہ سائنسز صرف کیمیا، طبعیات اور حیاتیات سے ہو کر سماجیات، معاشیات اور سماجی حرکیات کو بھی اپنی وسعت میں سمیٹ لیتی ہیں۔ یہی وجہ کہ اتنے وسیع اور بلیغ خیالات کو کسی ایک طبقے یا موضوع تک محدود کر دینا علامہ کے علاوہ اپنی ذات سے بھی زیادتی ہے۔ دوسری طرف موجودہ سائنسی ترقی کے دور میں ان کے بالیدہ اور فزوں تر افکار کی ترویج وقت کی بھی اہم ترین ضرورت ہے۔

تبصرہ نگار: ولید اقبال

ایسے وقت میں ''اقبال اور کارل مارکس کا فکری قرب و بعد' دنیائے افکار میں ایک تازہ ہوا کا جھونکا ہے۔ آسیہ میر نے تاریخ کے مدارج طے کرتے ہوئے غیر قبائلی نظام، قبائلی نظام، ملوکیت، جاگیر دارانہ نظام، سرمایہ دارانہ نظام، اور پھر اشتراکیت کی گتھیاں خوبی سے سلجھاتے ہوئے مارکس کے متعلق لکھا کہ "بلاشبہ انسانیت کو فرسودہ افکار سے نجات دلا کر مشرف بہ عظمت کرنے کا سہرا اسی مفکر کے سر ہے، جس نے آئیڈیل ازم کے بت کو توڑ کر تاریخی اور مادی جدلیات سے ثابت کیا کہ چند طاقتوروں نے اپنی بقائے باہمی کے لیے کس عیاری سے کام لے کر غلامانہ افکار کی پرورش کی۔

مارکس نے تمام تر انسانی جدوجہد کی تاریخ کو احاطۂ بیان میں لا کر بیانیہ شکل دی۔ وہ لکھتا ہے

Relative criticism is faced with relative limits. Absolute criticism is faced with the absolute limits, the limites of mass, the mass as limites. Relative criticism in it opposition, to definite limits was necessarily itself a limited individual.

مارکس فلسطی ازم کا سخت مخالف ہے، کیونکہ وہ انسان کی عزت نفس کچل کر اس کو رسوم و رواج کا بندہ بنا دیتا ہے۔ دوسری طرف اقبال کو ہر وہ شخص عزیز ہے جو انسانی عظمت کا نقیب ہو. حافظ سے انحراف اور رومی کی شاگردی کی بڑی وجہ انسانی عظمت کا استدلال اور فلسفۂ حرکت و عمل ہی ہے۔ رومی انسانی ضروریات کو اولین اہمیت دے کر اس کی انجام دہی کو عشق کے زمرے میں لاتے ہیں۔ اقبال ایک خطبے میں اس کو یوں بیان کرتے ہیں۔

Reality is, therefore, essentially spirit, but, of course there are degrees of spirits.

مارکس اور اقبال کی بنیادی مشترک قدر رہی ''انسانی عظمت'' ہے۔ بے شبہ یہ مسئلہ ''معاشی و معاشرتی''، وسائل و مسائل سے براہ راست منسلک ہے۔ بعد ازاں فکر اقبال مذہب کے دائرۂ امان میں پناہ گزیں ہو جاتی ہے۔ اقبال مذہب کی درست پیروی کے بغیر معاشی آسودگی کے امکان کو رد کرتے ہیں۔ آسیہ میر اقبال کے ایک مضمون ''قومی زندگی'' سے ایک اقتباس نقل کرتی ہیں کہ ''روزی کمانے کا دھندہ ہر وقت ان کے ساتھ چپکا ہوا ہے''

مارکس کی بہترین دریافت اس کے بیان کردہ تین عالمگیر اصول جدلیات ہیں

1- Law of Opposition اصول تضاد

2- Law of Negation نفی کی نفی

3- Law of Transformations مقدار کی معیار میں تبدیلی

ان تین بے مثل قوانین کی بہت خوبصورتی سے کلام اقبال سے مثالیں تلاش کی گئی ہیں۔ جیسا کہ اولین 'اصول تضاد' کو 'ازل سے ہے یہ کشمکش میں اسیر' میں بیان کیا گیا ہے۔

دوم اصول نفی کی نفی کو 'لا کے دریا میں نہاں موتی ہے الا اللہ کا' کے مصرعے میں بیان کیا گیا ہے۔

تیسرے اصول مقدار کی معیار میں تبدیلی کو "یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے" کے پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔

تیسرے میں فکر اقبال کی مارکس سے جداگانہ حیثیت کو بہت بھرپور انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اقبال کے اپنے الفاظ کو نقل کرتے ہو لکھا گیا ہے۔

i-Religion stands in greater need of a rational foundation.

ii-Religion and sciences may discover hitherto unsuspected mutual harmonies. It must, however, be remembered that there are no such things as finality in philosophical thinking. As knowledge

advances and fresh avenues of thoughts are opened.

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

اقبال کے ایک خطبے Is religion possible کے ضمن میں آسیہ میر لکھتی ہیں کہ اقبال کہتے ہیں کہ مذہب کے اعتقادات پر ایمان رکھنا سائنس کے دور میں بھی بھرپور طور پر ممکن ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ سائنس عقل، علمِ حواس، اور مشاہدے کی رہینِ منت ہے جبکہ وحی الٰہی بھی علم ہی کا ذریعہ ہے مگر اس روحانی واردات کا مقام مذکورہ بالا تمام سے اعلیٰ وارفع ہے۔

عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام

ایک جگہ اقبال خود پروفیسر وائیٹ ہیڈ کا حوالہ دے کر کہتے ہیں

The ages of faith the ages of rationalism.

ہر عہد عقلیت کا عہد ہے

عقل مدت سے ہے اس پیچاک میں الجھی ہوئی
روح کس جوہر سے ہے، خاک تیرہ کس جوہر سے ہے
ارتباط حرف و معنی، اختلاط جان و تن
جس طرح اخگر قبا پوش اپنی خاکستر سے ہے

عقل تو بتدریج مدارج طے کرتے ہوئے علوم کی بالیدگی کی سزاوار بنتی ہے جیسا کہ کبھی سورج کو کبھی زمین کو اور کبھی دونوں کو ساکن کیا جاتا تھا۔تاہم اب جدید سائنس ان دونوں بلکہ کائنات کی ہر شے کو متحرک مانتی ہے۔ مذہب نے اسی بات کو ساڑھے چودہ سو سال پہلے سمجھا دیا تھا کہ "ہم نے ہر شے کو اس کے مستقر میں جاری کر دیا ہے"

کتاب کا نچوڑ کچھ یوں ہے کہ مارکس انسانی بھلائی عقل کی رہبری میں تلاش کرتے ہوئے اشتراکیت میں "معاشی وانسانی" فلاح ڈھونڈتا ہے اور مذہب سے بے بہرہ ہے جبکہ اقبال مذہب کی روشنی میں "انسانی سماج" میں فلاح کا درس دیتے ہیں۔ اس کے باوجود اقبال مارکس کی عظمت کے معترف ہیں۔

نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب

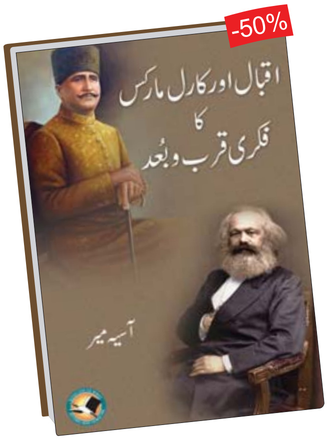

کتاب: اقبال اور کارل مارکس
مصنف: آسیہ میر
قیمت: 170 روپے
صفحات: 200
پبلشر: نیشنل بک فاؤنڈیشن

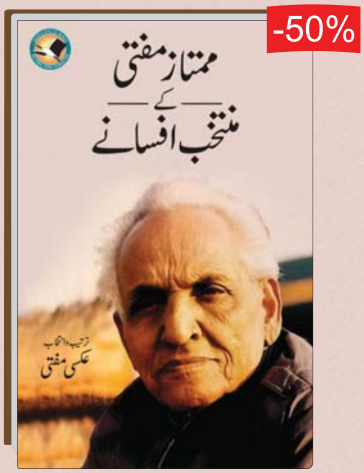

Price: Rs.480/-

Published by
National Book Foundation

ممتاز مفتی اردو ادب میں ایک ممتاز نام ہے۔ ممتاز مفتی اپنے اوائل دَور میں ایک لبرل اور مذہب سے بیگانے دانشور کی حیثیت سے مشہور تھے۔ ممتاز شیریں کی طرح وہ بھی فرائڈ سے متاثر تھے۔ اشفاق احمد جو ممتاز مفتی کے قریبی دوست تھے کے مطابق ممتاز مفتی تقسیمِ ہند سے پہلے غیر معروف ادب کے انتہائی دلدادہ تھے، یہاں تک کہ وہ اکثر سویڈن کے کئی غیر معروف ادیبوں کے ناول پڑھتے نظر آتے۔ ممتاز مفتی ابتداء میں تقسیمِ ہند کے انتہائی مخالف تھے لیکن بعد میں انتہائی محبِ وطن پاکستانی اور اسلام پسند کے طور پر جانے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی ذات میں یہ تبدیلی قدرت اللہ شہاب سے تعلق قائم ہونے کے بعد آئی۔ گو کہ ان کی شخصیت پر قدرت اللہ شہاب کی عادات، اطوار اور نظریات اثر انداز ہوئے لیکن پھر بھی وہ بحیثیت ادیب اپنی یگانگت اور اچھوتے پن کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہے۔ ممتاز مفتی کی تحاریر زیادہ تر معاشرے میں موجود کئی پہلوؤں اور برائیوں کو اُجاگر کرتی نظر آتی ہیں۔

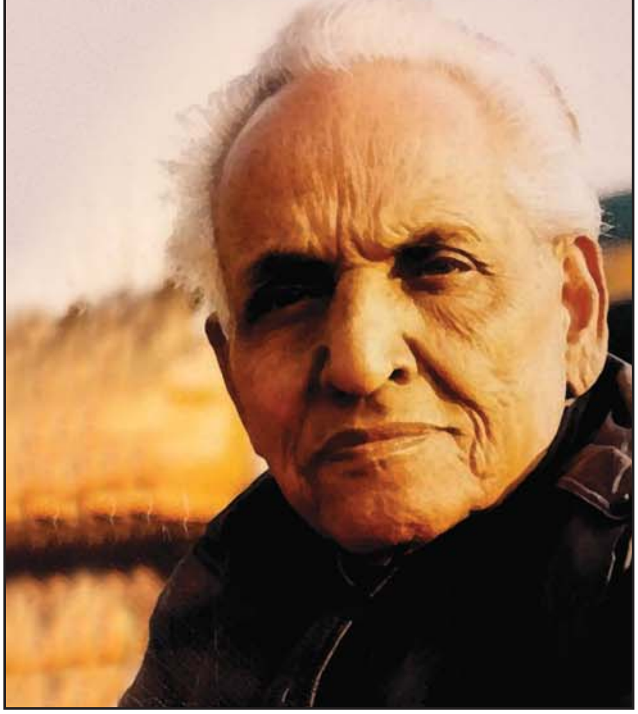

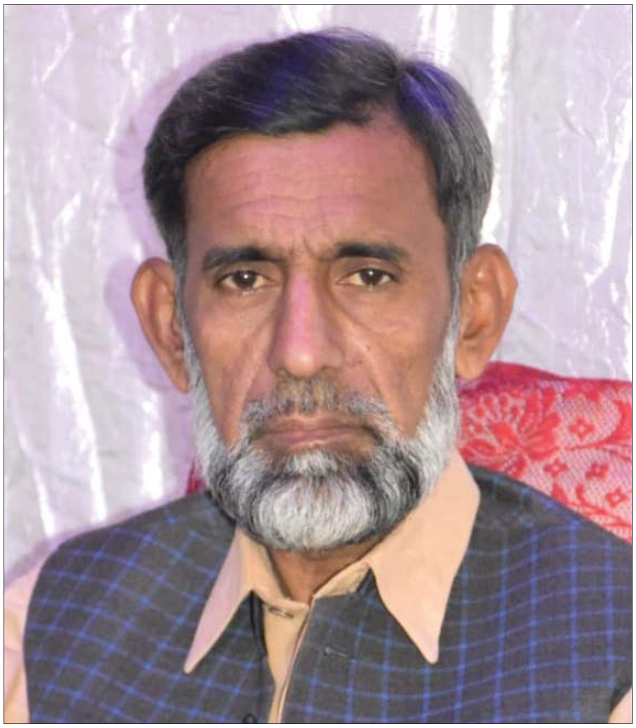

مصنف: خورشید ربانی

’’غبارِ آئینہ‘‘ معروف شاعر و ادیب خورشید ربانی کا چوتھا شعری مجموعہ ہے جسے رنگِ ادب پبلی کیشنز کراچی نے اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔ خورشید ربانی کی شاعری کا نمایاں پہلو رجائیت ہے۔ ان کے بیش تر اشعار فعال رجائیت کی عمدہ مثال کے طور پر پیش کیے جا سکتے ہے لیکن ایسا بالکل نہیں کہ ان کی زندگی میں کڑے سمے نہ آئے ہوں، غم نہ ہوں اور ان کی جھلک ان کے اشعار میں نہ ملے۔ ان کے ہاں انسانی حیات میں در آنے والے اچھے برے، تلخ و شیریں۔۔۔تمام ذائقے ملتے ہیں، بس اتنا ہے کہ فعال رجائیت کا حامل انسان کڑے حالات سے مغلوب نہیں ہوتا، وہ غموں سے نبھانا جانتا ہے۔ غموں سے آگے نکل کر زندگی کی خوش کن اور مفید حقیقتوں کے سراغ میں مگن ہو جاتا ہے۔ یہ خورشید ربانی کے مزاج میں شامل فعال رجائیت ہی ہے جو انھیں تھکنے نہیں دیتی، رکنے نہیں دیتی۔ اور یوں حال کو بہتر اور مستقبل کو بہتر کرنے کی کاوش زندگی کے ہر سفر میں ان کی ممد و معاون رہتی ہے۔ اس سارے میں خواب، آئینہ اور باغ بنیادی علامات کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ ان کا سفر خواب سے آغاز پا کر باغ سے ہوتے ہوئے آئینے پر منتج ہوتا ہے:

تبصرہ: نوید صادق

اک خواب کی خلوت میں مہکتا ہوا لمحہ

جب سیر کیا میں نے، کھلا، باغ تو یہ ہے

میں نے کہا خورشید کا سفر خواب سے آغاز پا کر باغ سے ہوتا ہوا آئینے پر منتج ہوتا ہے۔ ان تین علامات کی معنویت اور باہمی ارتباط پر تفصیلی بات ممکن ہے لیکن ان تین علامات کو سامنے رکھ کر ایک سطحی خاکہ بھی تو ترتیب دیا جا سکتا ہے اور بڑے کہتے ہیں کہ شعر کے باطن تک سفر کے لیے پہلی منزل یہ ہوتی ہے کہ اس کے سطحی معانی تک مکمل رسائی حاصل کی جائے۔ گویا تلازمات کو جانچا پرکھا جائے کہ بات آگے بڑھانے میں سہولت رہے لیکن بڑوں کی بات کو تھوڑا آگے بڑھاتے ہوئے کہنا چاہوں گا کہ جب استعارات و علامات کی سطحی جانچ پرکھ کامل سطح پر ہو جائے تو باقی سمجھنے سمجھانے کو رہ ہی کیا جاتا ہے۔ میں معانی کو محدود کرنے کے حق میں ہرگز ہرگز نہیں کہ معانی کی وسعت ہی تو علامت کا اصل حسن ہے لیکن دریا کی تہ میں اترنے کے لیے سطحِ دریا سے ایک جائزہ لینا کتنا ضروری ہے، زیرک پیراک ہی جانتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سب جاننے کے باوجود دوسروں تک اپنے محسوسات منتقل کرنے میں ناکام رہے لیکن۔۔۔اب اس لیکن ویکن کو چھوڑ کر تھوڑا حوصلہ بڑھانے کے لیے دریائے خورشید کا ایک سطحی جائزہ لینا ضروری ہوگا۔ خواب، باغ اور آئینہ کا باہمی ربط تلاش کرنے کی اپنی سی سعی کرنا ہوگی۔ میں نے ایک خواب دیکھا، اس خواب کی تعبیر ایک باغ ہوئی۔۔۔آئینۂ باغ سے نکل کر ایک نظر اس پر کہ جو چاہا، جو مانگا، اس کے مل جانے پر کیا انقلاب برپا ہوا۔۔۔صاف ظاہر ہے اس تبدیلی، اس انقلاب کی جانچ کے لیے آئینے سے بہتر کیا چیز ہو سکتی ہے۔ گویا باغ نے میری شخصیت، میرے سراپا پر کیا خوش گوار اثرات مرتب کیے۔۔۔لیکن یہ خوش گوار اثرات باطن کے حوالے سے بھی تو ہو سکتے ہیں لیکن یہ بعد کی باتیں ہیں۔ ابھی تو میں اس ترتیب کو تھوڑا الٹ پلٹ کر دیکھنے کے خواب دیکھ رہا ہوں۔۔۔لیجیے یہاں تو کہانی ہی اور طرف نکل گئی، خواب، باغ اور آئینے کا طلسم۔۔۔میں خود اس طلسم میں الجھنے والا ہوں، خدا خیر کرے۔ لیکن دریا کی تہ سے موتی نکالنے کے لیے دریا میں کودنا تو ہوگا۔ کام تھوڑا مشکل ہے، لیکن کوشش میں کیا ہرج ہے کہ موتی ہاتھ نہ بھی آئے تو ایک تجربہ جو اس سارے میں حاصل ہوگا، وہ بھی کسی انمول خزانے سے کم نہیں ہوگا۔ ترتیب۔۔۔خواب، آئینہ اور آخر میں باغ۔۔۔میں جو چاہتا ہوں، مجھے اس کے حصول کی کوشش سے پہلے یہ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ میں اس قابل بھی ہوں کہ نہیں۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔ کیونکہ جواب "نہیں" بھی تو ہو سکتا ہے، اور اگر ایسا ہوا تو ایک یاس بھری کیفیت، لیکن ایسا بھی کیا، اگر میں اس قابل نہیں تو یہ اس کا اعلان تو نہیں کہ میں کسی قابل نہیں۔ یعنی یہاں "نہیں" کی صورت میں واپس لوٹنا ہوگا اور منزل کا از سرِ نو تعین لازم ٹھیرے گا۔ تیسری شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ واپس پلٹ جاؤں اور جو چاہا تھا، یہ جان لینے کے بعد کہ میں اس کا اہل نہیں، اپنے آپ کو اس کا اہل بنانے کی کوشش بھی تو کی جا سکتی ہے لیکن یہ بڑے مضبوط اعصاب کا کام ہے۔ کمزور اعصاب کے حامل افراد تو پہلی صورت ہی پر اکتفا کرنا بہتر جانیں گے۔ اور میں بڑے دعویٰ سے یہ اعلان کر سکتا ہوں کہ خورشید ربانی کمزور اعصاب کے حامل نہیں ہیں۔ ابھی خواب کے حوالے سے فرائیڈ کا نام ذہن میں آیا ہی تھا کہ والٹ ڈزنی کی بات یاد آ گئی:

If you can dream, you can do it

بالکل کچھ ایسا ہی معاملہ ہے جو ہمیں خورشید کے ہاں ملتا ہے۔ یہ تو عزم و حوصلہ کی بات ہوئی۔ اس سے پہلے کہ بات مزید الجھ جائے، چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

خواب زارِ زماں کی اس جانب
جانے کیا ہے گماں کی اس جانب

خواب پھولوں کے دیکھتی دیوار
اس کے گھر تک پہنچ گئی دیوار

خواب دریچہ کھل جاتا ہے نیند کی پہلی ہی دستک پر
اور کوئی آنکھوں پر سپنا سپنا روشن ہو جاتا ہے

اک خواب کی خلوت میں مہکتا ہوا لمحہ
جب سیر کیا میں نے، کھلا، باغ تو یہ ہے

مہکا ہوا ہے کس قدر قریہ ہمارے خواب کا
شاخِ مکاں آئینہ ہے، باغِ زماں آئینہ ہے

خواب کے راستے سے جاتا ہوں
اور وہ باغ دیکھ آتا ہوں

کیا طلسمِ گفتگوئے آئنہ ہے دیکھیے
جو ہُوا محوِ سخن وہ خوش بیاں گم ہو گیا

گاہک کھڑے ہیں جس کے صفِ انتظار میں
کیا شے ہے اور کیسی دکاں آئنے میں ہے

وہ کون تھا جو کھل نہیں سکا خود اپنے آپ پر
جو میرے دل کو آئنہ بنا گیا، وہ کون تھا

کیا باغ ہے کہ سیر کیے جا رہے ہیں سب
کیا دشت ہے کہ سارا جہاں آئنے میں ہے

وہ رنگ سجائے گئے اُس شاخِ بدن پر
پھولوں نے بھی حسرت سے کہا، باغ تو یہ ہے

دنیا میں کئی حرف مہکتے ہوئے دیکھے
لیکن تجھے دیکھا تو کھلا باغ تو یہ ہے

مجھ کو رلاتا رہتا ہے اب بھی رَوِش رَوِش
سبزہ جو پائمال ہوا اُس کے باغ میں

خواب ماضی کی بازگشت بھی ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ مستقبل میں منصوبہ بندی، دبی خواہشات کا اظہار یہ۔ آئینہ ظاہری و باطنی حسن و جمال کی طرف اشارہ کرتا ہے، آئینہ خود احتسابی کے عمل کی طرف اشارے بھی فراہم کرتا ہے۔ باغ حسن و جمالِ زندگی کی علامت کے ساتھ ساتھ انسان کے اچھے دنوں کی یادگار یا اچھے دنوں کی امید کا اظہار یہ بھی ہو سکتا ہے۔

یہ وہ تعبیرات ہیں جو عموماً ہماری شاعری میں ان علامات سے وابستہ سمجھی جاتی ہیں، لیکن میں ان میں سے کسی ایک یا زیادہ کو خورشید کے اشعار سے نتھی کرنے کے چکر میں نہیں کہ علامت کا کام معنی کو وسعت دینا ہے، محدود کرنا نہیں۔ سو جس کی ذہنی دوڑ جہاں تک ممکن ہو۔۔۔!

خواب، باغ، آئینہ کے علاوہ خورشید ربانی کے ہاں آپ کو جگہ جگہ شہر، صحرا، دریا، گھر، دیوار، جنگل، گلی، ریت، سایہ، دھوپ، دیپ کی علامات ملیں گی لیکن یہاں نہ تو اتنی وضاحت سے کام لیا جا سکتا ہے اور نہ زیادہ مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ سو چلتے چلتے چند اشعار کہ اس دل نشیں شاعری سے محظوظ ہونا میرا اور آپ کا حق بنتا ہے:

دریا کا دکھ یہ ہے کہ ملامت کی زد میں ہے
دریا کو رنج ہے کہ رہی دشت ہی کی بات

گلیوں گلیوں کبھی مٹی کی مہک ملتی تھی
شہر کا شہر ہوا اب تو ہمارا پتھر

پھر ایک دن وہ جا بسے کنارِ آبِ نیلگوں
جن آنسوؤں کو رہ گزارِ واپسیں نہیں ملی

پوچھتے ہو کہ ان کہی کیا ہے
تم نے دیکھی نہیں کوئی دیوار!

اپنی قسمت پہ ناز کرتی ہے
اس کی دیوار سے ملی دیوار

''غبارِ آئینہ'' خورشید ربانی کے تخلیقی حُسن کا روشن اظہاریہ ہے جسے میں اُن کے اسم با مسمّیٰ کے طور پر پرتوِ خورشید کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔ اس پرتو میں اُن کی منفرد علامات، جو کسی تصنع آمیزی کی پیدا کردہ نہیں بلکہ اُن کے باطن سے پھوٹتی ہیں، مزید درخشانی پیدا کرتی دکھائی دیتی ہیں اور شعر میں جمالیاتی تاثیر سے قاری کے دل و دماغ پر اپنے متعدد نقوش ثبت کر جاتی ہیں۔ اس حوالے سے ''غبارِ آئینہ'' جدید شاعری میں ایک توانا لہجے، غزل کے دل کش اسلوب اور فکر آفرینی کے اَن گنت رنگوں سے آراستہ ایک ایسا مجموعہ ہے، جسے میں عصرِ موجود کی غزل میں ایک خوب صورت اضافہ سمجھتا ہوں۔ میں اس مجموعے کا صدقِ دل سے خیر مقدم کرتا ہوں۔

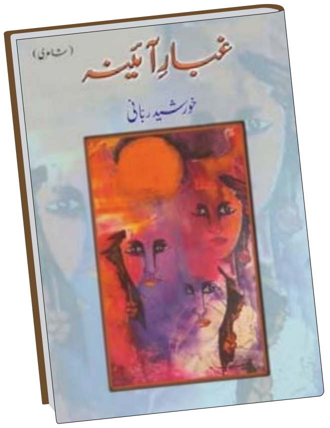

کتاب: غبارِ آئینہ
مصنف: خورشید ربانی
قیمت: 500 روپے
صفحات: 128
پبلشر: رنگِ ادب پبلی کیشنز

Golden Nuggets (Quotable Quotes)

Picture: Sarfraz Shahid

Accuracy

- Even a stopped clock is right twice a day.
  __Unknown
- "Fast is fine, but accuracy is everything."
  __Xenophon
- "Accuracy is the twin brother of honesty; in accuracy, of dishonesty."
  __Charles Simmons
- "In all pointed sentence, some degree of accuracy must be sacrificed to conciseness"
  __Samuel Johnson
- Accuracy of statement is one of the first elements of truth; inaccuracy is a near kin to falsehood.
  __Tryon Edwards 1809-1894

Advice

- Ask advice only of your equals.
  __Danish Proverb
- Never trust the advice of a man in difficulties.
  __Aesop (620 BC – 560 BC)
- It is very difficult to live among people you love and hold back from offering them advice.
  __Anne Tyler (1941)
- Good advice is something a man gives when he is too old to set a bad example.
  __Francois de La Rochefoucauld
- I have found the best way to give advice to your children is to find out what they want and then advice them to do it.
  __Harry S Truman
- Some people like my advice so much that they frame it upon the wall instead of using it.
  __Gordon R. Dickson
- Ask advice but use your own common sense.
  __American Proverb
- Advice is seldom welcome; and those who want it the most always like it the least.
  __Lord Chesterfield
- "Wise men don't need advice; fools don't take it."
  __Benjamin Franklin
- "We ask advice, but we mean approbation."
  __Charles Caleb Colton
- "The only thing to do with good advice is pass it on. It is never any use to oneself."
  __Oscar Wild
- Never give advice unless asked.
  __German Proverb
- Never take the advice of someone who has not had your kind of trouble.
  __Sindney J. Harris
- Many receive advice, few profit by it.
  __Publilius Syrus (-100 BC),

Age

- The surprising thing about young fools is how many survive.
  __Doug Larson
- You can only perceive real beauty in a person as they get older.
  __Anouk Aimee, O Magazine
- I think age is a very high price to pay for maturity.
  __Tom Stoppard
- When you have loved as she has loved, you grow old beautifully.
  __W. Somerset Maugham
- About the only thing that comes to us without effort is old age.
  __Gloria Pitzer, in Reader's Digest, 1979
- The longer I live the more beautiful life becomes.
  __Frank Lloyd Wright

(To be continued)

Book: Golden Nuggets
Compiler: Sarfraz Shahid
Price: 120/- & 150/-
Pages: 136
Publisher: National Book Foundation, Islamabad

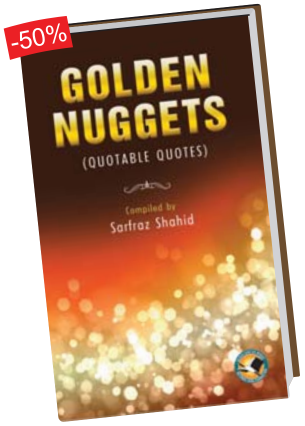

UNIT 6: Energy Resources

This chapter introduces the students with the energy resources, use of images and diagrams has made the topic interesting for the students, Impact of use of energy on environment and conservation of energy resources, open new avenues of thought to the students.

UNIT 7: Maps, Map Skills, Statistical Diagrams and Modern Techniques in Geography

This chapter caters the practical application of knowledge of Geography, Maps are among major tools of Geographers, this chapter introduces simplified means of showing heights and population distribution on the maps. Use of Line graph, Bar graph and Pie Chart is explained with help of suitable diagrams. Remote Sensing, Global Positioning System, Geographical Information Systems and Computer Based Models are briefly described with relevant images and examples.

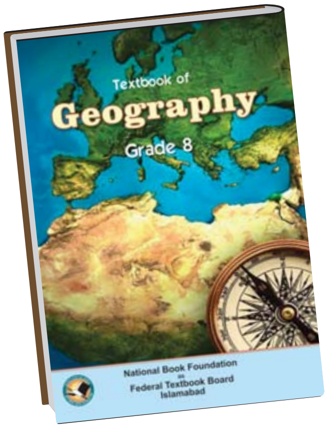

Book: Geography for grade 8
Author: Muhammad Javaid Raheela Awais
Price: 130
Pages: 92
Publisher: National Book Foundation

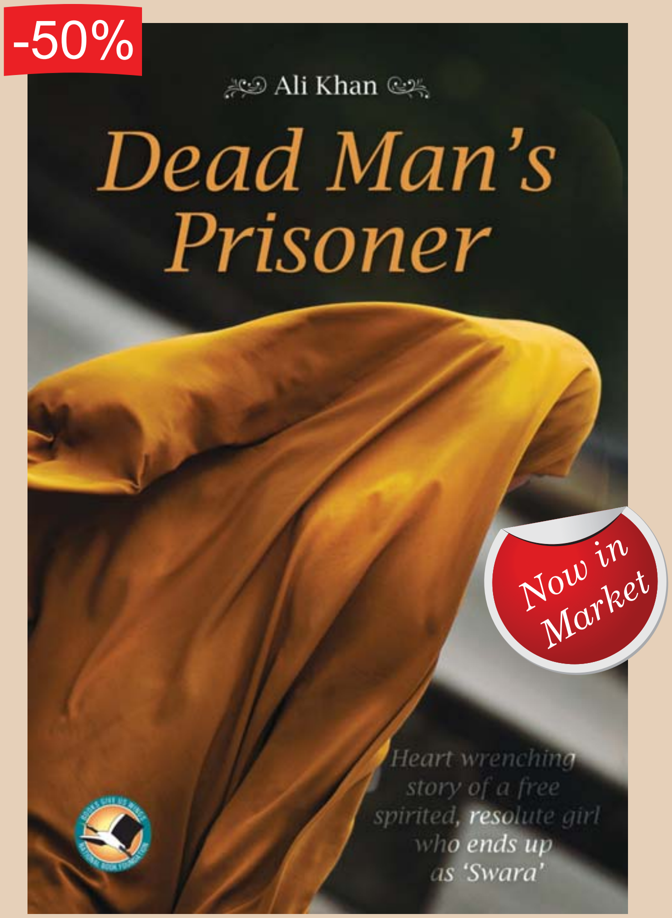

Price: 465 **Pages:** 288 **Publisher:** National Book Foundation

Dead Man's Prisoner takes you on a journey into the life of a compelling character Nadia.
A story that revolves around the despicable custom of 'Swara'-giving girls in compensation to end disputes. Given the cultural restrictions, it is not easy to feel, understand or have a peak into an otherwise guarded life of a victim of 'Swara'. The book is a first and an authentic account of a Swara girl. First because it tells a story of a survivor not a victim.
Nadia's character is beautifully developed. She is portrayed with strength of character and dignity in an otherwise shattered circumstance. The book not only helps understand the different dimensions of this custom and culture, but also makes a reader feel and resonate with Nadia's complex life. Life where she is catapulted into a labyrinth where her dreams are at stake, life is at danger and heart is at risk of being shattered.
It's a story of patriarchy and age-old traditions at war with a young girl's dreams and aspirations. A story of betrayal, hurt and the warped notion of 'honor' that regulates the lives of women.
Once the reader is thrown into the protagonist's head, an attachment starts to form. A unique, beautifully written novel. An absolutely must read.

Samar Minallah

Picture: Prof. Muhammad Javaid & Mrs. Raheela Awais

In teaching learning process Textbooks act as bridge between curriculum and student especially at elementary level. Textbook of Geography grade 8 by Federal Textbook Board Islamabad is one of the well-presented examples. One must keep in mind while designing the textbook, the mental age and time period for teaching learning activity. Flow of content and breaks are steps in progress of concept. As practicing teacher this new book of Geography caters most of the expectations. I want to discuss them all chapter wise.

Reviewer
Faiza Zahid

Unit 1: Work Of River

Many of the tangled and overlapping terms e.g., catchment area, Watershed, divide, tributaries and distributes were softly presented, avoiding confusion by well-illustrated diagram. Keeping in mind the chronological age of grade 8. Stages of River were compiled with aerial photographs. It was pleasant to see examples from Pakistan.

Unit 2: Hydrosphere

Concept of water bodies from macro-level was presented here in the beginning, well presented diagrams and content for ocean floor configuration is the second topic. Moments of ocean is the third topic focusing tides and few of the currents of two oceans. The chapter was concluded by continents.

Unit 3: Natural Climatic Regions of the world

This chapter is another effort to tailor huge amount of info-based, knowledge and concepts for mental age of grade 8 students. Human Activities in different climatic regions pegged the chapter at higher level of thinking. The said topic is application of information-concepts in the natural setting. Location maps framed the information well.

Unit 4: People and places around the world-Turkey

Selected country was well presented starting from geographical facts to most interesting element for students especially, tourist points in geographical regions in the country. While discussing lifestyle right from culture till food, everything was well touched. This offer students the opportunity to find more, using modern digital information and gadgets. This opens multiple windows of mind to absorb the content. This also offers variety of teaching techniques to capture the flight of students' mind during classroom and can continue even after that.

UNIT 5: Major Environmental Issues

Desertification is an important environmental issue; it has been addressed in a simplified manner that enables the students to learn and know this concept easily. Disposal of waste and the 3 R principle is another topic, that is comprehensively described, keeping in mind the age and grade of the student.

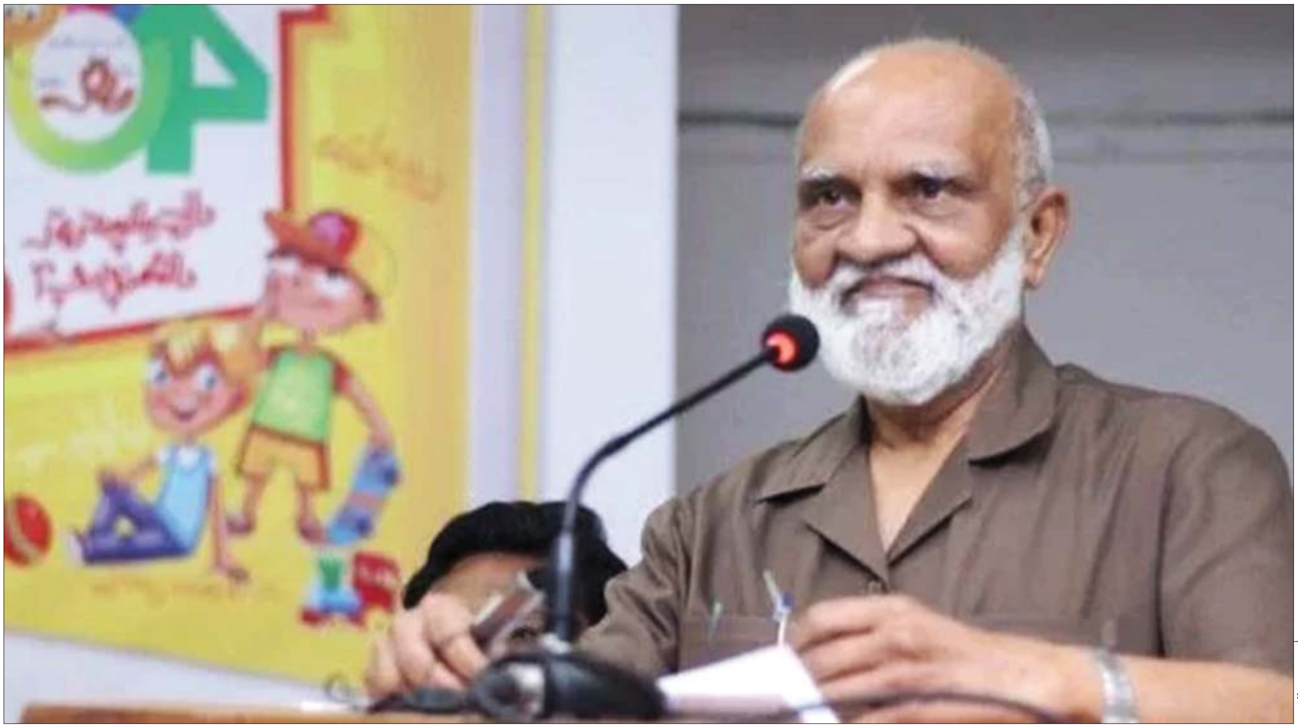

تصویر: محمود شام

ممتاز صحافی، شاعر، کالم نگار، مدیر، مترجم اور دانشور

محمود شام کا انٹرویو

گفتگو: محبوب ظفر

کیوں ہوں، کہاں ہوں، کون ہوں اور کس لیے ہوں شام
مُدّت سے میں ہوں اپنے سوالوں کے سامنے

س1: یہ فرمایئے آپ نے اپنی شعوری زندگی کا آغاز کب اور کہاں سے کیا اور کن مشکلات سے گزر کر اس مقام تک پہنچے ہیں؟

ج: شعوری زندگی کا آغاز تو اب تک نہیں ہو سکا۔ میٹرک گورنمنٹ کالج آدھیوال جھنگ سے کیا۔ شاعری کی ابتدا ہو گئی تھی۔ احمد ندیم قاسمی کی جلال و جمال۔ رم جھم نے بہت متاثر کیا۔ لاہور ''امروز'' کے دفتر میں ان سے ملنے بھی چلا گیا۔ گھریلو مالی حالات اچھے نہیں تھے۔ ایف اے میں مہاجر وظیفہ مل گیا۔ بی اے گورنمنٹ کالج جھنگ سے اسی وظیفے کی بنا پر ہو گیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم اے فلسفہ بھی فلسفے میں وظیفہ ملنے سے ہو گیا پھر پڑھائی کے ساتھ ملازمت بھی کرنا پڑی کیونکہ شادی ایف اے میں 1959ء میں ہی ہو گئی تھی۔ ایم اے کے دوران ہفت روزہ ''قندیل'' نوائے وقت گروپ میں پارٹ ٹائم اسسٹنٹ ایڈیٹری کی اس لیے ایم اے میں تھرڈ ڈویژن آئی۔ مالی مشکلات رہیں۔ پہلی نوکری پروف ریڈنگ کی 50 روپے ماہانہ پر کی۔

س2: آپ نے پہلا شعر غالباً 1959ء میں کہا تھا لیکن پھر آپ کی زیادہ توجہ صحافت پر رہی اس حوالے سے آپ کی شاندار اور طویل خدمات ہیں۔ اس سفر میں پیچھے مُڑ کر دیکھتے ہیں تو کیا احساس ہوتا ہے؟

ج: میری تحریر کی ابتدا شاعری سے ہوئی۔ صحافت ذریعۂ معاش کے طور پر اختیار کی لیکن شعر و ادب سے لگن صحافت میں بہت کام آئی۔ زبان میں چاشنی، فکر میں گہرائی، صحافت میں نمایاں مقام شاعری کی بدولت ہی ملا۔ پیچھے مُڑ کر دیکھنے کی عادت نہیں ہے۔ آپ کے کہنے پر دیکھتا ہوں تو اطمینان اور تسکین ہوتا ہے اگرچہ وہ نظم میں اب تک نہیں لکھ سکا جس کے لیے جھنگ کے ریت کے ٹیلوں، پیپل کے پیڑوں نے سرگوشیاں کی تھیں۔

س3: کہتے ہیں کہ صحافت شاعری کو کھا جاتی ہے۔ کیا آپ بھی یہی سمجھتے ہیں؟

ج: عام تاثر یہی ہے۔ پہلے میرا بھی یہی خیال تھا لیکن صحافت کی بدولت مجھے تاریخ اور جغرافیے کو جتنے قریب سے دیکھنے کے مواقع ملے وہ شاعری میں

نہیں مل سکتے تھے۔ یہ مشاہدات جب شعری تجربہ بن کر غزلوں اور بالخصوص نظموں میں ڈھلے ہیں تو مجھے صحافت پر فخر ہوا۔

س4: پاکستان میں پرنٹ میڈیا کا مستقبل آپ کیا دیکھتے ہیں۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ شاید کتاب اور کاغذ کا یہ اختتامی زمانہ ہے کیا واقعی ایسا ہی ہے؟

ج: میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ پرنٹ میڈیا ہمارے ہاں مطلوبہ مقام تک نہیں پہنچا تھا کہ یہ برقی میڈیا آ گیا۔ جہاں تک کاروباری ترقی کا تعلق ہے وہ ٹی وی چینلوں میں ہے لیکن جہاں تک نفسِ مضمون، عبارت اور اطلاع کا تعلق ہے اسے اب بھی پرنٹ میڈیا میں ہی ترجیح ہے۔ پاکستان میں پرنٹ میڈیا پر اب توجہ بہت کم ہے کیونکہ سارے بڑے اخبارات کے اپنے ٹی وی چینل ہیں۔ وہ اس کے سحر میں گم ہو رہے ہیں۔ پرنٹ میڈیا میں اہل ایڈیٹر مرکز و محور ہوتا تھا۔ اب مالکان خود ہی ایڈیٹر انچیف بن رہے ہیں۔ اس لیے پرنٹ میڈیا میں صحت الفاظ، خبر کی تصدیق اور ذہنوں کی تعمیر سے غفلت برتی جارہی ہے لیکن اسے کتاب اور کاغذ کا اختتامی زمانہ نہیں کہہ سکتے۔ کتاب ان ملکوں میں اب بھی لاکھوں میں بک رہی ہے جہاں انٹرنیٹ ٹی وی ایجاد ہوئے ہیں۔

س5: یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ادب کے پڑھنے والوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ کیا آپ اس سے اتفاق کرتے ہیں۔ آپ کے نزدیک اس کی کیا وجوہ ہوسکتی ہیں؟

ج: میں اس سے بھی کلی اتفاق نہیں کروں گا۔ معیاری ادب پڑھنے والوں کا تناسب ہمیشہ ہی کم رہا ہے۔ کتاب اگر قابلِ مطالعہ ہے اس میں کچھ نئے تخیلات اور تصوّرات ہیں نئی تراکیب استعارے ہیں تو وہ ہاتھوں ہاتھ بکتی ہے۔ گزشتہ کچھ دہائیوں سے ادبیات عالیہ کا فقدان ہے۔ ادبی رسائل پرانے فارمولوں پر چل رہے ہیں۔ معاشرے کے نئے رجحانات سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ وہ بیسویں صدی سے باہر نہیں نکل رہے ہیں۔ سوشل میڈیا میں شعر کہانی اب بھی بہت پذیرائی حاصل کر رہے ہیں۔

س6: منیر نیازی نے کہا تھا ''حرکت تیز تر ہے اور سفر آہستہ آہستہ''۔ یہ فرمائیں آخر ہمارے ساتھ مسئلہ کیا ہے اور اس کا کیا تدارک ہے؟

ج: پاکستان اب جن علاقوں میں ہے یہاں تحریک پاکستان اتنے زوروں پر نہیں چلی تھی جتنی مشرقی پاکستان میں اور ہندوستان کے ان علاقوں میں جنھیں پاکستان میں شامل نہیں ہونا تھا اس لیے یہاں یہ تاثر ہے کہ پاکستان ان پر مسلط کیا گیا ہے۔ ان علاقوں میں ادب، ثقافت، فکر کی اپنی اپنی صدیاں ہیں۔ ہم ان صدیوں پر 74 سال کو غالب کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تضاد ایک قوم بننے میں رکاوٹ ہے۔ ہمارا اندازِ فکر جذباتی ہے۔ مذہبی غلبے نے بھی جذباتیت کو فروغ دیا ہے۔ قوموں کی تعمیر اور ترقی میں غیر جذباتی، اقتصادی اور معروضی اندازِ فکر معاونت کرتا ہے۔ اعداد وشمار اور حقائق سامنے رکھنا ضروری ہے۔ سیاسی اور فوجی حکمران دونوں ہمارے جذبات سے کھیلتے رہے ہیں۔

س7: مرحوم غلام محمد قاصر کا یہ شعر آپ پر پوری طرح صادق آتا ہے:

کروں گا کیا جو محبت میں ہو گیا ناکام
مجھے تو اور کوئی کام بھی نہیں آتا

آپ کی ساری زندگی لفظ ہی کی محبت و استواری میں گزری ہے۔ یہی سب آپ کا اوڑھنا بچھونا رہا اور آج بھی آپ کا قلم ماشاء اللہ اسی طرح رواں دواں ہے کیا کہیں گے؟

ج: یہ آپ کی محبت اور شام نوازی ہے۔ ہوا یہ کہ گھر میں بھی کتاب، اخبار اور رسالے بچپن سے رفیق تھے پھر کالج میں میگزین کی ادارت، گورنمنٹ کالج لاہور کے مشہورِ زمانہ ''راوی'' کی ایڈیٹری۔ ایف اے میں ہی ہماری شاعری بھارت اور پاکستان کے بڑے رسالوں میں چھپنے لگی تو حرف کی حرمت ہمارا منشور بن گئی۔ مطالعہ جاری رہے تو تحریر بھی فعال رہتی ہے۔ میں سوشل میڈیا سے بھی پوری طرح جڑنے کی کوشش کرتا ہوں۔ نوجوانوں کی شاعری، افسانے ناول پڑھتا ہوں۔ کوئی تحریر بھی مکمل کر کے ایک عجیب والہانہ سرخوشی محسوس کرتا ہوں۔

س8: یوں تو اب تک آپ کی 40 سے زیادہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ بہت سی نثری کتابوں کا تعلق صحافت و سیاست سے ہے، جن میں سیاسی مضامین، انٹرویو، تجزیاتی تحریریں اور کالم شامل ہیں تاہم شاعری اور نثری ادبی کتب کی کیا صورت حال ہے؟

ج: میں نے جب سے قلم اُٹھایا ہے تو قاری کو ساتھ لے کر چلا ہوں۔ کہیں بھی سفر میں ہوں۔ کسی تقریب میں، کسی ملک میں تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ اپنے قارئین کی بدولت مجھے اعزاز مل رہا ہے۔ اس لیے میں یہ اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اپنے ان مشاہدات، تجربات، ملاحظات، مصاحبات میں قاری کو شریک کروں۔ سفر تحصیلِ علم کے لیے ہو۔ ادب کے فروغ یا مشاعرے کے لیے، میں نے اسے کتابی شکل دی۔

پانچ شعری مجموعے بھی مرتب کیے ہیں۔ ایک ناول شب بخیر بھی ہے

پانچ شعری مجموعے بھی مرتب کیے ہیں۔ ایک ناول شب بخیر بھی ہے اس لیے ہماری شاعری کو ہمارے نقادوں نے یا شاعروں نے درخوراعتنا نہیں سمجھا۔ مجھے اس کا قلق بھی نہیں ہے کیونکہ میں جن قارئین کے لیے لکھتا رہا ہوں، ان تک میرا شعر بھی پہنچا ہے، نثر بھی، اگر ادبی حلقوں میں ان کی پذیرائی نہیں ہوئی تو یہ ان ادبی حلقوں کی کم علمی ہے۔

س9: آپ کی ادارت میں شائع ہونے والا ماہنامہ ''اطراف'' ہماری نظر سے گزرتا رہتا ہے۔ اس اہم قومی پرچے کی مسلسل اشاعت اور اس کے زیراہتمام نئی نسل کے مابین مقابلۂ مضامین جو آپ کا مستقل سلسلہ ہے کہیں اور نظر نہیں آتا۔ نئی نسل کو کتاب سے قریب لانے، لفظ سے جڑے رہنے اور انھیں کتاب کی اہمیت سے واقفیت کے لیے آپ کیا مشورہ دیں گے؟

ج: میں کبھی اپنے مستقبل، اپنی نئی نسل سے مایوس نہیں ہوا ہوں، بڑے اخبارات سے وابستگی کے دوران بھی ایسی کوششیں کیں۔ نئے صحافیوں کو اپنے پاس سے مولانا ابوالکلام آزاد کی ''غبارِ خاطر'' خرید کر پڑھنے کو دی۔ دیوان سنگھ مفتون کی ''ناقابلِ فراموش''، مختار مسعود کی ''آوازِ دوست'' اور اے حمید کے افسانے۔ میں ہمیشہ کہتا ہوں کہ کوئی بھی ملک ہو۔ کوئی بھی زبان ہو، جمہوریت ہو یا مارشل لاء، صدارتی نظام ہو یا پارلیمانی۔ عشق بھی ختم نہیں ہوتا۔ عشق کی وارداتیں ہوں گی تو شاعری کے شگوفے بھی پھوٹیں گے، افسانوں کی کونپلیں بھی پنگریں گی۔ میں پورے اعتماد اور انبساط سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اُردو میں تحریر کا شوق اور ذوق ملک کے ہر گوشے میں پایا ہے۔ 18 سے 28 سال کے نوجوانوں کے درمیان مضمون نویسی کے مقابلوں میں بلوچستان کے دور دراز کے علاقوں سے جنوبی پنجاب سے سندھ کے قصبوں سے کے پی کے مختلف اضلاع سے گلگت بلتستان، آزاد جموں وکشمیر سے بڑی تعداد میں مقابلے میں شمولیت کے لیے تحریریں آتی رہی ہیں۔ نوجوانوں میں قومی زبان کے فروغ کے اس منصوبے میں ہمیں سلک بینک کی سرپرستی حاصل رہی اور یہ موجودہ مشیر خزانہ جناب شوکت ترین کی اُردو سے ذاتی لگن کی بدولت تھا۔

س10: یقیناً آپ کے علم میں ہوگا کہ نیشنل بُک فاؤنڈیشن کتابوں کی ترویج کا سب سے بڑا قومی ادارہ ہے جس نے تاریخ، سائنس، فکر و فلسفہ، مذہب، اخلاقیات، تحقیق وتنقید، بچوں کے ادب اور شعروادب کے حوالے سے بہت اہم کتابیں شائع کی ہیں۔ آپ فاؤنڈیشن کے اس کردار کو کس طور دیکھتے ہیں اور اس میں مزید بہتری کے لیے کیا مشورہ دیں گے؟

ج: یقیناً نیشنل بُک فاؤنڈیشن کے قیام کا مقصد یہی تھا کہ اُردو زبان میں دنیا بھر کے علوم کو منتقل کیا جائے۔ اس نے بڑی حد تک اس مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہماری کچھ کتابیں بھی شائع کی ہیں۔ بچوں کے لیے میری ایک مرتبہ کتاب ''ملّا نصرالدین کے لطیفے'' تو ایک لاکھ سے زیادہ شائع ہو چکی ہے جو میرے لیے انتہائی فخر کا باعث ہے۔ ہمارے ہاں بدقسمتی سے اُردو کو صرف شعروادب سے وابستہ کیا گیا ہے حالانکہ زبان تو زبان ہوتی ہے۔ اظہار کا ذریعہ، شعر کا بھی ادب کا بھی اور دیگر تمام علوم کے اظہار کا بھی۔ نیشنل بُک فاؤنڈیشن نے دیگر جدید علوم کی تصنیفات کو بھی اُردو میں منتقل کر کے دیدہ زیب طباعت میں پیش کیا ہے۔ فاؤنڈیشن کے جتنے سربراہ رہے ہیں ان سب کی خدمات کا اعتراف کرنا چاہیے۔ میری تجویز یہ ہوگی کہ ہمارا نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ ہر پاکستانی نوجوان کا ذہنی معیار ان ترقی یافتہ ملکوں کے نوجوانوں کے برابر ہو جائے جن ملکوں میں ہمارے نوجوان ترکِ وطن کر کے جاتے ہیں۔ اس طرح ہم اپنے شہروں کو ہی لندن ،ٹورنٹو، نیویارک، برسلز بنا سکیں گے۔

س11: قوموں کی ترقی میں دیگر عوامل کے علاوہ زبان کا ایک بنیادی کردار ہے یہ ذریعۂ تعلیم تو ہے ہی قومی تفاخر کا ذریعہ بھی ہے۔ کیا ہماری فکر میں پس ماندگی کی ایک بڑی وجہ یہ نہیں کہ قومی زبان کو ابھی تک وہ مقام نہیں مل سکا جو اس کا استحقاق بنتا ہے؟

ج: یہ ہماری بدقسمتی ہے۔ ہماری اشرافیہ اور حکمران طبقے کی ذہنی غلامی کہ ہم انگریزی کے غلبے سے آزاد نہیں ہو سکے۔ ہمارے سابق آقاؤں کی زبان بھی انگریزی تھی اور عالمی آقاؤں کی بھی۔ اُردو میں سرکاری اور قومی زبان بننے کی پوری اہلیت ہے۔ ہماری دوسری زبانیں جنھیں ہم علاقائی کہتے ہیں انہیں بھی قومی زبانیں کہنے میں کوئی عار نہیں سمجھتا۔ اُردو پورے پاکستان میں سمجھی اور بولی جاتی ہے۔ رابطے کا ذریعہ بھی یہی ہے اس لیے اسے جتنی جلد ہم مکمل سرکاری دفتری زبان کی حیثیت دے دیں ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔

س12: قارئین اور نوجوان نسل کے لیے کوئی پیغام؟

ج: جذبات پر انحصار نہ کریں۔ مشتعل نہ ہوں۔ پاکستان میں سب کچھ ہے، معدنی، قدرتی وسائل، سارے موسم، سارے مناظر، ہر قسم کی زمین، پہاڑ، سمندر، دریا، سطح مرتفع، سونا، تانبا، تحقیق، تصدیق کو اپنا شعار بنائیں۔ مستقبل

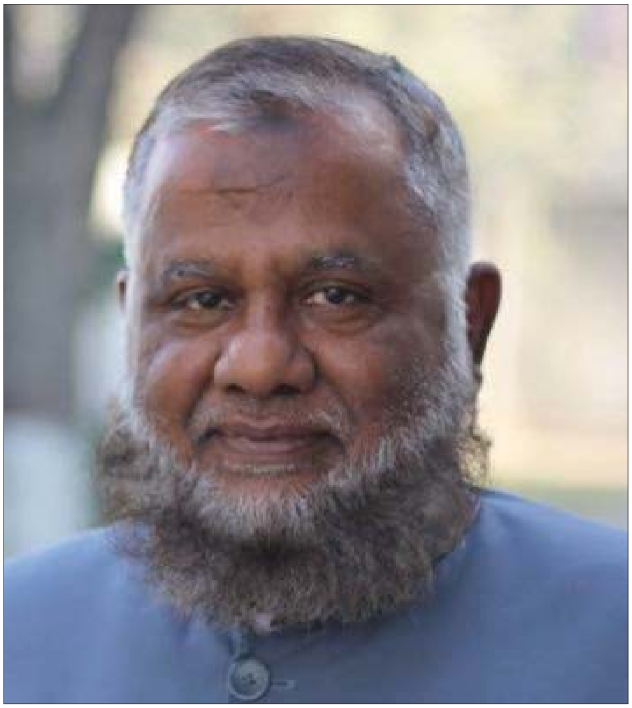

مصنف: ڈاکٹر آصف محمود جاہ

اپنی مرضی سے ادویات استعمال کرنے کے نقصانات

ڈاکٹر کے مشورہ کے بغیر اور اپنی مرضی سے ادویات استعمال کرنا صحت کے لیے بہت زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ ان ادویات کے مضر اثرات سے زندگی کو بھی خطرہ ہوسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اسپرین (Aspirin) کا زیادہ استعمال کرنے سے معدے کا السر ہوسکتا ہے اور پنسلین (Penicillin) کی الرجی سے ہونے والے صدمہ (Shock) کی وجہ سے موت بھی واقع ہوسکتی ہے۔ اسی طرح یرقان اور گردے کی پتھری ہونے کی ایک وجہ اپنی مرضی سے ادویات لینا بھی ہوسکتا ہے۔

اس کے علاوہ اپنی مرضی سے ادویات استعمال کرنے سے مریض ان کا عادی ہوجاتا ہے۔ شروع میں درد یا پریشانی دور کرنے کے لیے اپنے طور پر ہی کوئی نہ کوئی دوا مسلسل لی جاتی ہے۔ اس کے بعد جسم اس دوا کا عادی ہوجاتا ہے اور آخر کار انجام یہ ہوتا ہے کہ اس کے بغیر زندہ رہنا مشکل ہوجاتا ہے جیسا کہ ہیروئین کے نشہ میں ہوتا ہے۔ اینٹی بائیوٹکس (Antibiotics)، سٹیرائیڈز (Steroids)، سکون آور دواؤں (Tranquillisers) کا بغیر سوچے سمجھے اور غیر ضروری استعمال جو معمولی امراض کے لیے کیا جائے بہت ہی خطرناک ہے۔ اس عادت سے وقتی طور پر آرام ضرور محسوس ہوتا ہے لیکن بعد میں زندگی بھر کے لیے پریشانی کا باعث بن جاتا ہے۔ ان ادویات کے مسلسل استعمال سے گردے، جگر اور جسم کے دوسرے اعضا کو نقصان پہنچنا شروع ہوجاتا ہے۔ ان تمام نقصانات سے بچنے کے لیے بہتر ہے کہ دوا ہمیشہ ڈاکٹر کے مشورے کے بعد لیں۔

مضر اثرات سے کیسے نپٹا جائے؟

عام استعمال میں آنے والی ادویات کے مضر اثرات تین طرح کے ہوسکتے ہیں:

1- کچھ مضر اثرات خود بخود ختم ہوجاتے ہیں اور ان کے لیے کسی علاج وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

2- بعض مضر اثرات کی صورت میں معمولی علاج یا احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ مختلف ادویات کے بارے میں اصل کتاب کے اگلے صفحات میں دی گئی ہدایات پر عمل کیا جائے تو ان کے مضر اثرات سے بچا جاسکتا ہے۔

3- جن ادویات کے مضر اثرات سے فوراً طبیعت خراب ہونا شروع ہوجائے ان سے نپٹنے کے لیے فوری طور پر ڈاکٹر سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔

ادویات کے مختلف اقسام کے مضر اثرات کی صورت میں مندرجہ ذیل ہدایات پر عمل کرنا چاہیے:

1- بعض ادویات کے استعمال سے غنودگی طاری ہونے لگتی ہے جو ان ادویات میں شامل کچھ اجزا کی وجہ سے ہوتی ہے اس لیے اس طرح کی ادویات کے کھانے کے بعد گاڑی چلانے یا کسی مشین پر کام کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔ اگر غنودگی زیادہ دیر رہے تو پھر ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہیے۔

2- بعض اوقات کسی دوا کے کھانے کے بعد کانوں میں شاں شاں کی آوازیں آنا شروع ہوجاتی ہیں۔ ایسا اسپرین کی زیادہ مقدار لینے یا پھر کان کے انفیکشن کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے۔ اگر یہ حالت ایک دن سے زیادہ رہے تو پھر ڈاکٹر سے ضرور مشورہ کرنا چاہیے۔

3- کسی دوا کے کھانے کے بعد اگر سانس لینے میں دشواری ہو یا آنکھوں میں کسی قسم کی کوئی خارش یا تکلیف ہوجائے تو ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہیے۔

(بقیہ آئندہ شمارے میں)

کتاب: دوا، غذا اور شفاء
مصنف: ڈاکٹر آصف محمود جاہ
قیمت: 410 روپے
صفحات: 310
پبلشر: نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

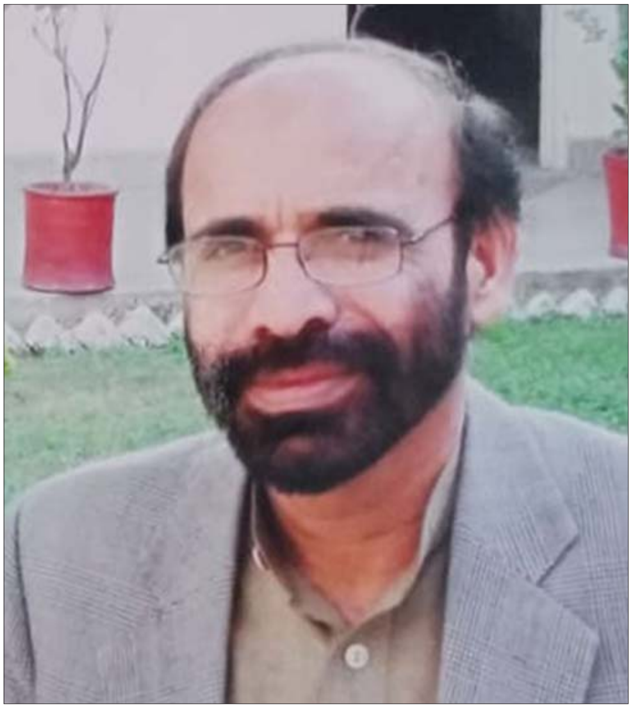

تصویر: واحد بخش بزدار

بلوچی لوک کہانیوں پر مشتمل کتاب ''بلوچی لوک کہانیاں''، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد جیسے معتبر علمی، ادبی اور اشاعتی ادارے کی جانب سے 2020ء میں شائع کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں مجموعی طور پر اٹھارہ بلوچی کہانیاں شامل ہیں اور یہ کتاب 230 صفحات پر مشتمل ہے۔

تبصرہ: ڈاکٹر منظور علی ویسریو

یہ کتاب منتخب بلوچی لوک کہانیاں کا اردو ترجمہ ہے، جسے واحد بخش بزدار نے بڑی محنت اور خوبصورتی سے اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔

لوک کہانیوں میں اگرچہ مافوق الفطرت اور محیر العقول واقعات کا تذکرہ ملتا ہے تاہم یہ کہانیاں انسانی سماج، زندگی اور معاشرت سے متعلق ہوتی ہیں۔ لوک کہانیاں بنیادی طور پر کسی گروہ کی اجتماعی علم و دانش اور ان کی ہزاروں برسوں کے تجربات کا آئینہ دار ہوتی ہیں۔ اس لیے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ہر کہانی موضوعاتی اعتبار سے نہ صرف اپنی ایک انفرادیت رکھتی ہے بلکہ ہر کہانی اپنے اندر زندگی کی سطح پر اپنا ایک وسیع اور برتر مفہوم بھی رکھتی ہے۔

چونکہ لوک کہانیاں انسانی سماج کا مشترک ورثہ اور مشترک اظہاریہ ہوتی ہیں۔ اس لیے دنیا کی بہت سی کہانیاں عہد بہ عہد اور سینہ بہ سینہ سفر کرتے ہوئے مختلف زبانوں میں یکساں طور پر نفوذ کرتی ہوئی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ اسی طرح بلوچی لوک کہانیاں چند ایک کہانیوں کے موضوعات ہمیں تھوڑے فرق کے ساتھ دوسری زبانوں کی کہانیوں کے کردار گلمش، شاہ سرگون، وس تاپ، شاہ کواد، کے ارش، تہہ ماسپ، شاہ دارا اور سیاہ مک وغیرہ جیسی کہانیاں تاریخی طور پر انتہائی قدیم شخصیات کی عکاسی کرتی دکھائی دیتی ہیں، جو بالترتیب سومیری اساطیری کردار گلگمش، اکادی بادشاہ سرگون، ایرانی بادشاہ وشتاسپ، شاہ قباد، کیاخریس، تہماسپ، داریوش اور سیامک کی دلالت کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔

بہر حال مجموعی طور پر بلوچی لوک کہانیوں کا یہ مجموعہ انتہائی دلچسپ، معلومات افزا اور فکر انگیز کہانیوں پر مشتمل ہے۔ ان کہانیوں میں کردار سازی و شخصیت سازی سمیت موضوعات کا تنوع اور دلچسپی دیکھنے کو ملتی ہے۔ امید کی جاسکتی ہے کہ یہ کتاب قارئین کے لیے مفید اور معلومات افزا ثابت ہوگی۔

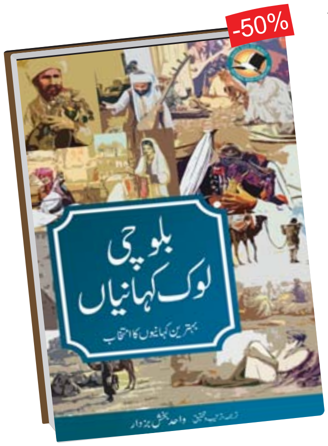

کتاب: بلوچی لوک کہانیاں

ترجمہ ترتیب و تحقیق: ڈاکٹر واحد بخش بزدار

قیمت: 240 روپے

صفحات: 230

پبلشر: نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

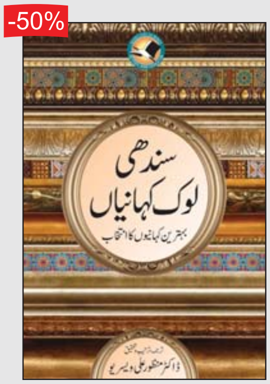

Price: Rs.200/-

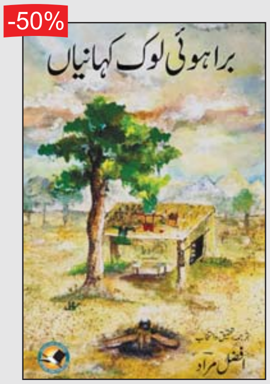

Price: Rs.150/-

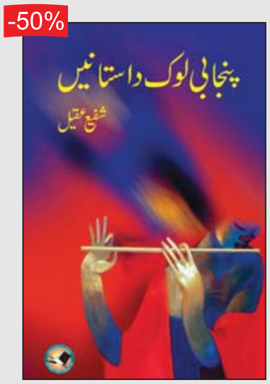

Price: Rs.150/-

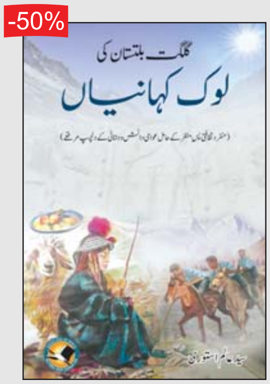

Price: Rs.130/-

Picture: Maj Gen ® Muhammad Tahir

A Man's Shortcomings are taken from His Epoch

"A man's shortcomings," said Goethe, "are taken from his epoch; his virtues and greatness belong to himself." The creator has given us souls equal to the entire world, and yet satiable, not even with the vastness of the whole world. The choice God gives lies before us. Men may choose to act as animals or become immortal gods depends upon the path, they choose. A man may choose to be a despicable beast or become the illuminator of the souls and a beacon of light for all generations. These are lessons of life, from the great minds and the lessons will outshine the ravages of time and will remain immortal.

What are Life Lessons?

What are the life lessons? Bacon says, "We shall at least learn the noblest lesson of all that man must not fight man, but must make war on the obstacles, that nature offers to the triumph of man." Will Durant points out, "We need to see behind the strife, the patient bounty of the soul, and the renaissance of the spring." Keats says, "A thing of beauty is a joy forever, its loveliness increases, it will never pass into nothingness…. therefore on every morrow, we are wreathing a flowery band to bind us to the earth." I believe that whatever form it takes, life sings, because it has a song. The books, the Philosophers, the speeches, the poems that I have selected are few, but rich in contents, though I am aware that the treasure is unlimited. These selections all pertain to life and give life lessons. What has motivated me to write? To leave a legacy in the minds of those, whose life we touch (my children, friends and students) and I hope it's never too late for any of us to learn, as Albert Einstein says,"Intellectual growth should commence at birth and cease only at death." May be after reading, someone will change and change for the better, as Leo Tolstoy says,"Everyone thinks of changing the world, but no one thinks of changing his own self."

Changing the World or Myself

I sincerely believe that it doesn't matter, what I learnt, but what I have taught, not what have I acquired, but what I have given, not what I received, but what I changed. Someone said long ago, "When I was a young man, I wanted to change the world. I found it was difficult to change the world, so I tried to change my nation. When I found I couldn't change the nation, I began to focus on my town. I couldn't change the town and as an older man, I tried to change my family. Now, as an old man, I realize the only thing I can change is myself, and suddenly I realize that if long ago, I had changed myself, I could have made an impact on my family. My family and I could have made an impact on our town. Their impact could have changed the nation and I could indeed have changed the world." (Author Unknown)

(To be continued)

Book: Books that Changed My Life
Author: Maj. Gen. (R) Muhammad Tahir
Price: 920/-
Pages: 478
Publisher: National Book Foundation

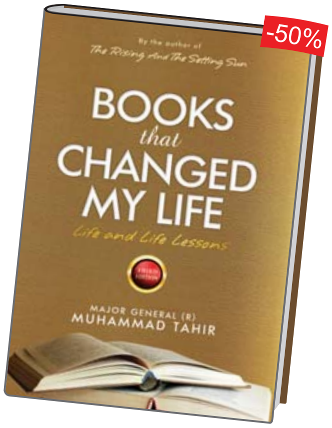

تصویر: جوئے ایڈمسن

قدرتی حالات کے مطابق تو ایلسا کو شاید شیروں کے خاندان میں شمار نہ کیا جاتا۔ شیرنی کی ایک جھولی سے عموماً چار بچے ہوتے ہیں، جن میں سے ایک تو پیدا ہوتے ہی مر جاتا ہے اور دُوسرا اتنا کم زور ہوتا ہے کہ اس کا سلامت رہنا مشکل ہوتا ہے۔

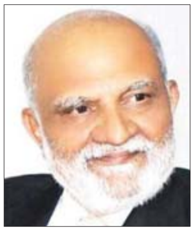

مترجم: محمود شام

اسی لیے آپ جب بھی دیکھیں گے ایک شیرنی کے ساتھ دو ہی بچے نظر آئیں گے۔ ایسے کم زور بچوں کی دیکھ بھال شیرنی دو سال تک کرتی رہتی ہے۔ پہلے سال تو وہ انھیں چبا چبا کر غذا دیتی ہے تا کہ وہ آسانی سے نگل سکیں۔ دُوسرے سال وہ بچوں کو شکار کے لیے ساتھ لے جاتی ہے، لیکن ان پر کڑی نگرانی رکھتی ہے کہ کہیں وہ اپنا ضبطِ نفس نہ کھو بیٹھیں۔ وہ ابھی خود تو شکار کرنے کے قابل نہیں ہوتے اس لیے اپنے دُوسرے بھائیوں کے شکار کے بچے کھچے پر گزارا کرتے ہیں۔ اکثر ان کے لیے کم ہی بچتا ہے، اس لیے ان کا حال پتلا رہتا ہے۔ بعض اوقات ان سے بھوک برداشت نہیں ہوتی تو گھر سے نکل بھاگتے ہیں اور اکثر مارے جاتے ہیں، یا پھر اپنے باقی دو بھائیوں سے الگ ہو کر کسی اور گروہ میں جا شامل ہوتے ہیں۔ پھر انھیں ابھی شکار کرنے کی پُوری مہارت نہیں ہوتی اس لیے بھی وہ اکثر مصیبت میں پھنس جاتے ہیں۔ فطرت کے قوانین سخت ہیں، شیر کو ابتدا ہی سے جفاکشی اختیار کرنا پڑتی ہے۔

پاٹی اور یہ تینوں بچے مل کر میرے خیمے میں سفری بستر کے نیچے کھیلتے رہتے۔ یوں لگتا تھا کہ اس جگہ کو وہ سب سے پُرامن سمجھتے تھے اور اپنی فطری نشوونما کے لیے بہتر خیال کرتے تھے۔ ان کی طبیعت گھریلو پالتو جانوروں کی سی تھی اور حوائج ضروری کے لیے ہمیشہ بڑی احتیاط سے باہر جایا کرتے تھے، پہلے چند دن تو ان سے کچھ بدتمیزیاں سرزد ہوئیں لیکن بعد میں جب کبھی اتفاق سے ان میں سے کوئی گھر میں پیشاب کر دیتا تو وہ شور مچاتے اور نفرت کا اظہار کرتے ہُوئے مضحکہ خیز حرکتیں کرتے۔ وہ ہر طرح سے صاف ستھرے رہتے، ان کے جسم سے شہد جیسی...... یا وہ بو کہیں مچھلی کے تیل کی بو سے مشابہ تو نہ تھی؟ ...... خوشبو آیا کرتی تھی۔ ان کی زبانیں ریگ مال کی طرح کھردری تھیں۔ جوں جوں وہ بڑے ہو رہے تھے، یہ کھردرا پن زیادہ محسوس ہو رہا تھا۔ اگرچہ ہم موٹے خاکی کپڑے پہنے ہوتے تھے، مگر ان کے اندر سے بھی ہمیں یہ کھردراہٹ محسوس ہوتی تھی۔

دو ہفتوں کے بعد جب ہم آئسیولو لوٹے تو ہمارے شیر خوار شہزادوں کا محل ان کی راہ تک رہا تھا۔ ایک ہجوم انہیں دیکھنے آیا تھا اور اس طرح واقعی ان کا شاہانہ استقبال ہوا۔ وہ سفید فام یورپی لوگوں سے محبت کرتے تھے، بالخصوص بچوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ افریقیوں سے نفرت کا کھلم کھلا اظہار کرتے تھے۔ ہاں......!! ایک سومالی نوجوان نورو سے ان کا سلوک امتیازی تھا۔ وہ ہمارا مالی تھا۔ اب ہم نے اسے ان کی حفاظت کے لیے ''شیروں کے محافظ'' کے عہدے پر مقرر کر دیا۔ یہاں وہ بہت خوش تھا۔ اس طرح اس کی سماجی حیثیت بلند ہوگئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب بچے گھر میں ادھر ادھر پھرتے پھراتے تھک جاتے اور کسی سایہ دار جھاڑیوں کے نیچے سو جاتے تو وہ گھنٹوں ان کے قریب بیٹھا رہتا کہ انھیں کوئی سانپ نہ ڈس لے یا کوئی بندر تنگ نہ کرے۔

کتاب: آزاد شیرنی
مصنفہ: جوئے ایڈمسن
مترجم: محمود شام
قیمت: 150 روپے
صفحات: 136
پبلشر: نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

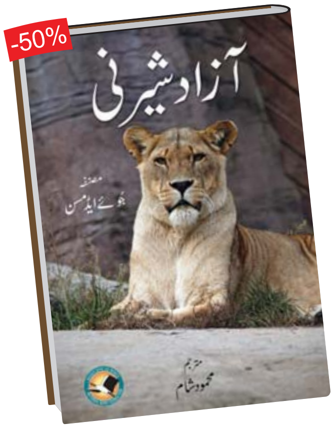

Picture: Dr. Maqsood Jafri

The Indian savage and bestial predators are turning over paradise like vale into a sheer wasteland and graveyard. The besieged Kashmiris are in the state of agony and anguish and must be released from India's incarceration.

The saga of Kashmir is very long and pathetic. The distaught, tortured, maimed and the mum Kashmiris are looking towards the conscience of the world to get freedom from the unleashed and barbaric Indian forces. 1 would like to discuss the salient features of the case of Kashmir in turn with a cursory glance and passing remarks. Numerous books have been written on this subject. In my opinion the burning wounds of Kashmir are self-evident. But for the sake of expressing the pent-up passions, it is imperative to write a few words with a heavy heart and tremoring tears. In my opinion Kashmir is the product of the Two Nation Theory.

Two-Nation Theory

Jalalud-Deen Akbar, a Mughal emperor tried his best to unite the Muslims and the Hindus on political and secular grounds for imperial motives but Hazrat Mujaddid Alf-Thani raised a clarion call against this anti-Islamic views and totally rejected his self-made religion based on secularism. The Mujaddid actually exhibited the truth that the Muslims and the Hindus are two different nations and are diametrically opposed to each other in their religion, culture, ideology, politics, economy, and social life. They neither inter-marry, nor inter-dine. Sir Syed Ahmed Khan was another stalwart and spearhead of the Two Nation Theory. He awakened the Muslims from deep slumber and infused into them the spirit of rationalism, education, modernity and scientific outlook. Though we may disagree with his some religious ideas; his services for rationalism and naturalism are meritorious. Doctor Allama Iqbal and Quaid-e-Azam with their gigantic political and intellectual sagacity burnished the calibre and character of the Muslims of the Sub-continent. The Muslims were considered "Untouchables", the dirty aliens and the objects of profanity by the Hindus. For a Hindu, the urine of a cow is more sacred than the blood of a non-Hindu. Such Hinduistic rites and rituals portray scolding and scoffing attitude against the Muslims. We share an inimical history and heritage. The heroes of one are the villains of the other. Sivajee, a Maharaja Chief, is regarded as scoundrel. Mehmud Ghazanvi, an icon-breaker is our hero but he is not more than a looter for the Hindus. The languages spoken by the Hindus Hindi and Sanskrit, are written from left side to the right, whereas the Muslims' languages Urdu, Persian and Arabic are written from right side to the left. We differ in art, architecture, language, dress, literature, history, morality and religion. How can we live together or be an integral part of Indian culture? They believe in caste system whereas we believe in total annihilation of the usury. The idol-worshippers have unwittingly fallen to the vicious religious bias of the Indian Hindu majority against the Muslims and other minorities. Their adherence to the beliefs of worshipping fire, human sacrifice, snakes and other dogmas and rituals have made the persecution of the Muslims fertile. India has left no stone unturned to damage the Two Nation Theory. In 1971, India with the active help of Soviet Union succeeded in dismembering Pakistan. Mrs. Indra Ghandhi, the then Prime Minister of India on the dismemberment of Pakistan had boastingly bragged: "The Two Nation Theory has been sunk deep into the bay of Bengal".

(To be continued)

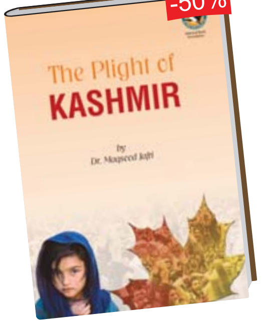

Book: The Plight of Kashmir
Author: Dr. Maqsood Jafri
Price: 230/-
Pages: 138
Publisher: National Book Foundation

تصویر: حمیرا اشفاق

تاریخ دو قسم کی ہوتی ہے ایک بتائی جانے والی تاریخ اور ایک چھپائی جانے والی تاریخ۔اول الذکر تاریخ کو مقتدر طبقات نامور مؤرخین کی مدد سے خود ستائشی حاشیوں میں قید کر کے، بڑے شوق سے اپنے محلات، درباروں اور مقبروں میں آویزاں کرتے ہیں جب کہ مؤخر الذکر تاریخ کو یہی مقتدر طبقات گمشدہ زمانوں کی گرد کا کفن دے کر وقت کی گہری کھائی میں دھکیل دیتے ہیں۔ ہر دور میں ظلم، جبر، ناانصافی اور بے اعتدالی کے خلاف اٹھنے والی آواز کو دبانے کے لیے ایسی کئی بے نام قبریں وجود میں آتی ہیں جن پر اس زمانے کی اشرافیہ یا مقتدر طبقات کا کڑا پہرہ ہوتا ہے۔ان تلخ حقائق کے ساتھ تاریخ کے ان فریب خوردہ، بوسیدہ، مبالغہ آمیز سیم زدہ ستونوں کی بنیاد تلے، بڑی جرأت اور بہادری سے اپنی بقاء کی جنگ لڑتا ایک سچ اور بھی ہے، یہ سچ مظلوم کی اس آواز سے گونج اٹھتا ہے جو حلق میں گھونٹ دی جاتی ہے اور اُس خون سے نمو پاتا ہے جو پانی کی طرح بے مول بہا دیا جاتا ہے۔ یہ سچ تاریخ کے ان تمام تیقنات کے کفن پھاڑ کر سامنے آتا ہے جو مقتدر طبقات کے، ظلم، جبر اور ناانصافیوں کے سامنے ہاتھ باندھے، سر جھکائے، صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ سچ حق سے متشکل ہوتا ہے اور اپنے ظہور کے لیے ان بصیرت آمیز روشن دل محققین، ناقدین اور تخلیق کاروں کا منتظر ہوتا ہے جو وقت کے تاریک زمانوں کی گرد میں اس کی ماند پڑتی چمک کا سراغ پا لیں اور اپنی عمیق بصیرت اور غائر بصارت سے سچ کے تمام ممکنات کو حال کی روشنی میں لے آئیں جو ماضی کی گرد میں گم ہو جانے کو ہیں۔

تبصرہ: حنا جمشید

بلوچستان کے ایک ہزار سال قبل کی تاریخ میں مدفن، عربی و فارسی کی معروف شاعرہ رابعہ بلخی یا رابعہ خضداری کی جرأت مندانہ زندگی کو، حال ہی میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کی ہونہار، قابل اور باصلاحیت استاد ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے، ناول کی شکل میں ادبی حلقوں میں متعارف کرایا ہے۔ ناول کیا ہے تاریخ کا ایک دل سوز باب ہے۔ ایک ہزار سال پہلے کا بلوچستان، جہاں جنم لینے والی رابعہ بلخی، جو وہاں کے مایہ ناز حکمران امیر کعب کی بیٹی ہے، حق، سچ جرأت، بہادری اور بے باکی کا وہ نام ہے جسے تاریخ رابعہ خضداری کے نام سے جانتی ہے جو فارسی کے معروف شاعر رودکی کی ہم عصر معروف شاعرہ ہے، عربی و فارسی پر یکساں گرفت رکھنے والی علم و دانش میں یکتا، فنونِ سپہ گری کی ماہر، رموزِ سلطنت میں اپنے والد کی بہترین مشیر، ذہانت و حسن میں بے مثل، رابعہ بنتِ کعب، جو بلوچستان کی دھرتی پہ آباد قبائل کی بقاء کی جنگ اور عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی کے سفر میں خود سے بیگانہ ہوئی، جس نے اپنے خطے میں ہونے والے مظالم پر خود اپنے بھائی کے خلاف آواز اٹھائی، اور جو اسی جرم کی پاداش میں اپنے سگے بھائی حارث کے ہاتھوں کاروکاری جیسی مذموم اور قبیح رسم کی بھینٹ چڑھا دی گئی۔

حد تو یہ کہ ہمت، جرات اور شجاعت کی مثال یہ بہادر شاعرہ دمِ مرگ بھی اپنے رستے لہو سے گرمابے کی دیواروں پر ظلم، جبر، زیادتی اور بربریت کے خلاف اشعار رقم کرتی رہی۔ یہ اشعار آج بھی مظلوم کی آواز کی صورت تاریخ کے ان بوسیدہ اوراق میں گونجتے ہیں جو ظلم کی حشر سامانیوں کے بوجھ تلے دبے سسک رہے ہیں۔ رابعہ خضداری کا کلام آج بھی حق اور سچ کے عمیق فلسفے کا امین ہے۔

'می سوزم' میں رابعہ خضداری کی دردناک اور دل سوز کہانی کو پڑھنا، بلوچستان کی تاریخ کے سنگ ریزوں سے درد و دانش کے قیمتی گوہر چننے جیسا تجربہ ہے جنھیں چھاننے کے دوران نہ صرف انگلیاں فگار ہوتی ہیں بلکہ دل بھی خوں چکاں ہوتا ہے لیکن وقت کو الٹا گھمانے کا شوق، ماضی میں اتر کر جبر زدہ محکوم طبقات کے درد سمیٹ لینے کا شوق قاری کے پیر جمائے رکھتا ہے۔ وہ رابعہ خضداری کو اپنی آنکھوں سے ماضی کے عہد میں زندہ اور موجود محسوس کرتا ہے، وہ اس کی جرأت اور بیباکی کا اقرار کرتا ہے، اس کی خوبصورتی کے سحر میں کھو جاتا ہے اور اُس کے عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی کے روحانی سفر میں خود کو اس کا ہم سر پاتے ہوئے عشق و مستی کے عرفان میں گم ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے ناول کا یہ مکالمہ ملاحظہ کیجیے:

"امام خاتون! بس ایک شخص کے لیے سب کچھ چھوڑ دینا، یہ مشکل کام نہیں؟

"وہ ایک شخص تو دنیا کی نظر میں ہوتا ہے، محبّ کی نظر میں وہ کل کائنات ہوتا ہے۔

پیاری رابعہ! ایک چاہت اس سے بھی بڑی ہوتی ہے، وہ بگولے کی طرح اس مجاز کی محبت کو اڑا لے جاتی ہے اور پھر آخرِ کار اسے خود میں ضم کر لیتی ہے۔"

رابعہ خضداری کے سوانحی حالات و واقعات پر مشتمل یہ تاریخی ناول 'می سوزم' اپنی

منفرد تکنیک، بیان کی روانی، موضوع پر گرفت اور تاریخی حقائق کی ناول کی صنف میں کمال بنت اور پیشکش سے، ایک ایسے نادر فن پارے کی صورت سامنے آتا ہے، جس کی مثال تاریخ میں کم دیکھنے کو ملتی ہے۔ حمیرا اشفاق نے اس ناول میں بڑی مہارت سے خود کلامی کی تکنیک کا استعمال کیا ہے۔ اردو ناولوں میں اس تکنیک کو برتنے کا رجحان خال خال ہی نظر آتا ہے۔ ترکی کے معروف ادیب اورحان پامک نے اپنے ناول 'میرا نام سرخ' میں اس تکنیک کا بڑی مہارت سے استعمال کیا ہے۔ اس ناول میں پروف کی کچھ اغلاط کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو بیان کی یہ تکنیک ناول کے ہر کردار کو بھرپور موقع دیتی ہے کہ وہ آئے، اپنا قصہ سنائے اور کہانی کا تسلسل اگلے کردار کو سونپ کر آگے نکل جائے۔ یہاں کردار اپنی زندگی جیتے ہیں، دکھ اور مصائب برداشت کرتے ہیں اور اپنے تمام المیے خود اپنی زبانی سنا کر قاری کو دکھ میں مبتلا کرتے ہوئے، بلوچ قبائل کے مصائب اور ہمت کی یہ داستان اگلے کردار کے حوالے کر جاتے ہیں۔

ناول میں بنیادی انسانی حقوق کا پرچار ایسی مہارت سے کیا گیا ہے کہ قاری اسے پڑھتا کم ہے اور محسوس زیادہ کرتا ہے۔ رابعہ خضداری کا اپنے سپہ سالار بیکتاش کو خود کو غلام کہنے سے منع کرنا، اس کی اُس روشن فکر کی جانب اشارہ کرتا ہے جو اس زمانے کے بہادر اور آزاد خیال بلوچ قبائل کی بصیرت آمیز سوچ میں نمایاں پہلو لیے ہوئے ہے۔ بلوچ قبائل جو آج بھی اپنی آزادی پر کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کرتے اور اسی آزادی کے تحفظ کے لیے اپنی جان بھی دینے سے دریغ نہیں کرتے کہ یہ آزادی ہر انسان کا بنیادی انسانی حق اور فطرت کا تحفہ ہے۔

ناول جہاں خواتین کے حقوق کی سربلندی کا تعین کرتا ہے وہیں ناول کے کرداروں میں اپنی تراش خراش اور بنت کے حوالے سے ایک نہایت عمدہ توازن بھی موجود ہے۔ ناول کے مرد کردار مثلاً بیکتاش، سالم، میوہ، اللہ بخش جہاں اپنی جگہ مضبوط، شجاعت، ہمت اور دلیری کی مثال نظر آتے ہیں وہیں ناول کے نسائی کردار بھی اپنے اپنے دائرے میں فعال، پختہ اور باہمت ہیں۔ رابعہ خضداری کے مرکزی کردار کو ہی دیکھا جائے تو وہ اپنی ہمت اور بے باکی کی بناء پر پورے ناول پر حاوی دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح امام خاتون، گلِ رعنا اور شاہ بانو کے کردار بھی بھرپور اور زندہ دل کردار ہیں۔ یہ کردار ناول میں کہیں بھی مرد کرداروں کے سامنے ماند نہیں پڑتے، جہاں اپنے ہونے کا یقین دلاتے ہیں وہیں اپنی جرأت، بے باکی اور بہادری سے، ظلم اور جبر پر آمادہ مدِ مقابل کو گھائل بھی کرتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً گلِ رعنا کے کردار کا اپنی جان پر کھیل کر بیکتاش کو حارث کی قید سے آزاد کرانے کا منظر اس بلوچ خاتون کی بہادری اور ذہانت کی دلیل ہے۔

ناول کے مقتدر طبقات سے تعلق رکھنے والے طاقتور کرداروں کی عکاسی بھی متن میں خوب ملتی ہے۔ امیرِ کعب کے بیٹے حارث اور اس کے دوست سارنگ کے کردار جہاں طبقہ اشرافیہ کے غرور اور نخوت زدہ لہجوں اور مکالموں کی صورت اپنا آپ ظاہر کرتے ہیں وہیں اپنے اندازِ فرعونیت میں وہ تمام جبر بھی آشکار کرتے ہیں جو اس مقتدر طبقے کے مسلط کیے جہل اور لایعنیت کا غماز ہے۔

'می سوزم' صرف رابعہ خضداری کی جرأت کی کہانی نہیں، یہ بلوچ قبائل کی بقاء اور تشخص کے لیے لڑی جانے والی جنگ اور استعمار کے خلاف ایک ہو جانے کی داستاں بھی ہے۔ اپنی عزت، وقار اور شناخت کی بقاء کے لیے جان دینے والے بلوچ قبائل، جنھیں اپنی آزادی اپنی جان سے زیادہ پیاری ہے، جو ظلم و جبر کے خلاف اپنے خون کے آخری قطرے تک لڑنے کو تیار رہے ہیں، جو تختِ لاہور کو خراج یا تاوان کے بدلے اپنے ایک ہزار آدمی دینے کو تیار نہیں، جو امن چاہتے ہیں، جو محبت کا خواب دیکھتے ہیں۔

یہ ناول اپنے موضوعات میں جہاں انسانی حقوق کی سربلندی، بلوچ قبائل کی اپنی بقاء و شناخت کے لیے جنگ، محکوم طبقے کی آواز، حقوق نسواں کا تحفظ، تانیثی شعور کا اپنی آزادی و حق گوئی کے لیے علمِ بغاوت اٹھانے جیسے حقائق کا بڑی جرأت سے احاطہ کرتا ہے وہیں تاریخ کی تہوں سے ان تمام حقائق کو بھی بازیافت کرتا ہے جو رابعہ خضداری جیسی ذہین اور بہادر شاعرہ کی شناخت کا معتبر حوالہ ہیں اور آج بھی کسی نہ کسی داستان یا حکایت کی صورت اپنی بقاء کا جواز تراشے ہوئے ہیں۔

اگرچہ اردو ناول نگاری کا فسوں آج بھی اپنے تسلسل کو جاری رکھے ہوئے ہے تاہم موجودہ اردو ناولوں میں تاریخی ناول لکھنے کا رجحان خال خال دکھائی دیتا ہے۔ گذشتہ دہائیوں میں عزیز احمد، قراۃ العین حیدر، عبداللہ حسین، انتظار حسین، مستنصر حسین تارڑ، قاضی عبدالستار، جمیلہ ہاشمی جیسے کئی نامور تخلیق کاروں نے اردو ادب کو بڑے گراں قدر تاریخی ناولوں کا تحفہ دیا۔ تاہم عصرِ حاضر میں تاریخی ناول کی تصنیف کا کم ہو جانا ایک قابلِ فکر بات ہے۔ اس المیے کی وجوہات کا تعین کرنے کی بحث میں جائے بغیر ہمارے لیے یہ امر لائقِ تحسین ہے کہ موجودہ حالات میں حمیرا اشفاق کا 'می سوزم' جیسے تاریخی ناول کا اردو ادب کو تحفہ دینا، نہ صرف ادبیاتِ اردو کے لیے ناول کی صنف میں ایک گراں قدر اضافہ ہے بلکہ خود ان کے تخلیقی تجربات میں ایک وقیع کارلائقہ بھی ہے۔

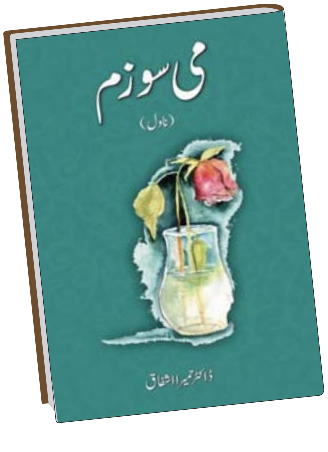

کتاب:	می سوزم
مصنف:	حمیرا اشفاق
قیمت:	525/- روپے
صفحات:	208
پبلشر:	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

He assured the government cooperation and legal facilitation through existing laws, rules and regulation to ensure the administrative facilities without hindrance and misleading. The inaugural ceremony was concluded at tea break.

The first business session was graced by Dr. Raja Mazhar Hameed Managing Director National Book Foundation and presided over by the chairman Shahid Memon. The distinguished Lady Guests like Dr. Farzana Sulaiman from Karachi, Mis Fozia Luni from Quetta, Mrs. Farzana Bhatti from Islamabad , Ms Fakhira Tabassum from Lahore Dr. Saira Saleem from Karachi University, Mrs. Huma Shahan From Islamabad (media representative), prof. Urooj Fatima From Karachi, Miss Rehana Gul from Peshawar and Miss Ester Jane from Special Education Department Sindh expressed their views about their achievements together with obstacles and difficulties faced by them, even then they successfully completed their careers so far. Dr Raja in his expression announced to make functional and active the approved braille and digital library and of course appointment of committee to facilitate and monitor the admissive facilities.

The second business session was on IT, its training and use by the disabled community.

The Secretary, Ministry of Information and Technology, Government of Pakistan graced the occasion as Chief Guest while appreciating the efforts of the Foundation and achievement of the disabled women's assured that Ministry will actively support to promote the IT programs for disabled community with special reference to Urdu talking software as priority-based agenda.

Madam Shabana Risalat District Session Judge Narcotic Rawalpindi nominated by the Lahore High Court graced the occasion and briefed all the legal provisions pertaining to women with special reference to divorce, harassment and heritage. She while responding the question inspired by the competency, capabilities and courageous role of disabled women.

Friday the 3rd December, forth Business session was started. The title of the session was requirements and problems of the disabled women in the light of my experience and analyzation. Some 20 disabled delegates (women) participating from different parts of the country expressed their experiences-based views. The session was presided over by the Dr. Farzana Suleman and Dr. Humera Iqbal jointly.

The fifth business session was devoted for medical problems and requirement of all disabled women presided over by the madam Shakila Yasmin convener of the convention while Dr. Sajida Naseem Associate Professor of Community Medicine Shifa College of Medicine Islamabad was the chief guest and main speaker Madam Dr. Muniza Sami team member coordinated and introduced to the participants of the team with brief expression about purpose of the session Dr. Sajida in her expressions briefed the situation and requirement.

The final session followed by volunteer's expression to grace the volunteer's day 5th December. The session was presided over by Dr. Shagufta Iqbal from Quetta Prof. Azra begum. Dr. Humera Iqbal and Prof. Shahla Yousuf having long standing experience of working with the disable community expressed their experienced based views and inform about the problems and difficulties faced by the either side due to misunderstanding and emotional behaviors which makes the volunteers work difficult and un-pleasant.

As per courtesy offer of the Dr. Mukhtar and other fellow colleagues from the different universities including Kohsar University and Science foundation, to arrange the four different competition including Poster, Quiz, Speech and IT skills and otherwise for cross disability which was followed by the expressions by the above said dignitaries from the different universities and distribution of the cash awards from Rs. 1000000/- amongst the winners During the whole program it was also offered by the other Chancellors to have the same type of program be conducted in other universities to promote awareness and integration amongst the high-profile educational personalities and young generation marching towards higher education. The 56 shields were awarded to the disabled women having high profile performance and achievement during the lifetime comprising of most seniors and juniors. Ms. Wajiha Qamar, Parliamentary Secretary Federal Education and Proefessional Training by gracing the program highly appreciated the achievements of the disabled women and efforts of the foundation, assured to work in the parliament for disabled community as a special reference.

Report on 5th National Convention of disabled women observed at National Skill University, Islamabad To grace the International Day of Disabled persons (3rd December)

Alhamdulillah, under the Pakistan Disabled Foundation on the occasion of International Day of Disabled Persons, 5th National Convention of Disabled Women was held from 1st to 3rd December 2021.The convention started on 1st December through informal session of registration. interaction and briefing of the program together with welcome dinner at National Skills University, Islamabad.

The formal inaugural ceremony had taken place on 2nd December at the same venue graced by the Federal Minister of State for Parliamentary Affairs Mr. Ali Muhammad Khan as the chief guest while vice chancellor prof. Dr Mukhtar presided over the ceremony. The Chairman, Pakistan Disable Foundation (PDF) presented the address of welcome Prior to that all the female delegation and their Guides were presented shawls and packet of dry fruit as the winter gift, a token of warm welcome. Mr. Shahid Memon Chairman, (PDF) in his address of welcome by welcoming the guests briefed the activities and philosophy of the Foundation who also expressed most sincerely thanks to Mr. Muhammad Azam Khan Sawati Federal Minister Railway for his kind meeting and all the facilitation together with handsome discount to the disable travelers proceeding to the destination.

The travelling disabled women were of the opinion that, perhaps they are travelling in one of the advanced countries. Allah may bless Mr. Muhammad Azam Khan Sawati, Federal Minister and all the concerned staff. Mr. Memon also expressed deepest thanks and appreciation for the continuous and cordial practical cooperation of Dr. Mukhtar and his team together with students on the behalf of National Skills University, Islamabad. Mr. Memon also welcomed and appreciated with sincere thanks the participation of disabled women and experts of the field from all over the country.

Dr Mukhtar in his speech once again assured the much more meaningful cooperation and long- time steps in favor of the disabled community. He also announced on behalf of the management of the University regarding different computation under UN logo for International Day and awards to the winners, plus courtesy lunch. Mr. Muhammad Azam Khan Sawati in his speech , mentioned all the relevant aspects in a thought-provoking manner by repeatedly quoting Qur'anic Verses and otherwise.

تصویر: ڈاکٹر محمد اشرف کمال

زیرِ نظر کتاب ''تنقید کا دائرہ'' ڈاکٹر محمد اشرف کمال کی تصنیف ہے جسے نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد نے شائع کیا ہے۔ یہ تنقید کے موضوع پر مواد اور اسلوب کے حوالے سے ایک اہم اور معروف کتاب ہے جسے قارئین اور طلبہ طالبات کی بڑی تعداد نے پسند کیا ہے اور یہ مختلف یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ایم اے ایم فل کی سطح پر پڑھائی جاتی ہے۔

تبصرہ: عبدالعزیز انجم

ڈاکٹر اشرف کمال نے تنقید جیسے پیچیدہ موضوع پر سہل انداز میں خامہ فرسائی کی ہے اور ہر ایک موضوع کو جامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پہلے ایڈیشن میں اس کتاب کے بارے میں ڈاکٹر سہیل عباس استاد شعبہ اردو جامعہ ٹوکیو برائے مطالعات خارجی، جاپان نے اپنے تاثرات کا اظہار کچھ اس طرح کیا تھا: ''تنقید کا دائرہ واقعی ایک ایسا دائرہ ہے جس میں اردو تنقید کے نمائندہ رجحانات سمٹ کر آ گئے ہیں۔ اس کتاب کی مفصل خوبیوں کے لیے ایک اور کتاب درکار ہے جس کا دائرہ کار اس کے محاسن کو سمیٹنا ہو۔ اس کتاب کی صرف دو خوبیوں کا تذکرہ کروں گا۔ پہلی یہ کہ اس طرح کا کام تاجور نجیب آبادی نے ''اردو مرکز'' نامی ادارہ بنا کر کیا تھا، وہ کسی موضوع کا انتخاب کر کے سینکڑوں کتابوں کا مواد ایک کتاب کی شکل میں تیار کرتے تھے۔ اشرف کمال کی اس کتاب کی دوسری خوبی اردو تنقید کو آسان کر کے درسی ضرورتوں کو پورا کرنے کے قابل بنانا ہے۔ اس سے قبل ڈاکٹر سید عبداللہ نے یہ کام کیا تھا۔ دیکھا جائے تو یہ دونوں کام جہاں رکے ہوئے تھے اشرف کمال نے انھیں آگے بڑھایا ہے۔''

فاضل مصنف نے عرق ریزی سے کام لیتے ہوئے ایم فل اور پی ایچ ڈی کے اسکالرز کے لیے تنقید کے مضمون کے تمام اہم موضوعات کا احاطہ کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر سلیم محی الدین صدر شعبہ اردو، شری شیواجی کالج پربھنی، اورنگ آباد۔ بھارت ''تنقید کا دائرہ'' کے بارے میں لکھا کہ ''مضامین میں جہاں وسعت ہے وہیں گہرائی بھی ہے۔ اختصار تو گویا کوزے میں دریا کی مثال ہے۔ نئی نسل اور نئے اذہان کے لیے یہ ایک تحفۂ بے مثال ہے۔ یہ تنقید کی تاریخ بھی ہے اور تنقید کی تنقید بھی۔''

فاضل مصنف نے تنقید کے تعارف اور اہمیت، تنقید کے اصول، نقاد کی خصوصیات، تنقید کا منصب، تنقید اور تخلیق کا رشتہ، مغربی تنقید کی روایت میں ارسطو، لان جائنس، کولرج، میتھو آرنلڈ، ٹی ایس ایلیٹ، اردو میں تنقید کی روایت، تنقیدی دبستان، جمالیاتی تنقید، رومانوی تنقید، نفسیاتی تنقید، ترقی پسند/مارکسی تنقید، عمرانی تنقید جیسے موضوعات سمیت حالی کی تنقید نگاری اور محمد حسین آزاد، شبلی نعمانی، سید احتشام حسین، محمد حسن عسکری، وارث علوی، ڈاکٹر وزیر آغا اور ڈاکٹر محمد علی صدیقی کی اردو تنقید کے لیے خدمات کا ذکر کیا ہے۔ بقول پروفیسر ڈاکٹر خلیل طوقار صدر شعبہ اردو، استنبول یونیورسٹی ترکی ''اس میں صنفِ تنقید کی تاریخ سے لے کر، اس صنف کی تمام شاخوں اور ممیز نمائندوں تک کے بہت ہی وسیع موضوعات ہنر کے ساتھ سمیٹے گئے ہیں۔ یعنی ڈاکٹر صاحب نے کوزے میں دریا کو بند کر رکھا ہے۔''

بلاشک و شبہ تنقید کا دائرہ میں ڈاکٹر اشرف کمال نے جس انداز میں، تنقید، تنقید کا تعارف، تنقید کی ضرورت و اہمیت، اصول، خصوصیات اور منصب و روایت کو جس مہارت سے بیان کیا ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔ اس سے نہ صرف تنقید کے طالب علموں کو رہنمائی ملے گی بلکہ ناقدین کے لیے تنقید کی سمت نمائی اور تفہیم میں بھی مدد ملے گی۔ اس سے تنقیدی شعور بھی ڈویلپ ہوگا اور تنقیدی رویوں کو بھی استحکام ملے گا۔ بلاشبہ ان کی یہ کاوش طالبانِ علم وادب کے لیے غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ پیچیدہ مضامین کو آسان انداز میں تفہیم و تشریح اور انھیں مرتب کرنا ان کی خداداد صلاحیت ہے۔ امید ہے یہ کتاب علم وادب سے وابستہ حضرات کے لیے نہایت مفید ثابت ہوگی۔

تنقید کے لغوی معنی جانچنا، پرکھنا، کھرے اور کھوٹے کی پہچان کرنا اور محاسن و معائب میں فرق کرنا کے ہیں۔ اصطلاحاً کسی فن پارے یا تخلیق کی خوبیوں اور خامیوں کو بیان کرتے ہوئے ادب میں اُس کا مقام تعین کرنا تنقید کہلاتا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ تنقید کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''تنقید کے معنی ہیں، کھرا کھوٹا پرکھنا۔ اصطلاحاً کسی موجود مواد کی خوبی یا برائی، حسن و قبح اور جمال اور بدصورتی کے متعلق چھان بین اور اس پر فیصلہ دینا، نقاد کے مدنظر ہوتا ہے۔'' زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو تنقید کے عمل سے ماورا ہو۔ تنقید ایک ایسے چراغ کی مانند ہے جو صداقت اور سچائی تک پہنچنے میں ہماری مدد کرتا

ہے۔اس طرح کوئی بھی شعبۂ حیات تنقید کے بغیر ترقی کی منازل طے نہیں کرسکتا۔ادب میں تنقید کا اہم مقصد تخلیق ادب کی فضا پیدا کرنا اور اسے بہتری کی طرف گامزن کرنا ہوتا ہے۔ادبی پس منظر میں تنقید کے بارے میں میتھیو آرنلڈ کہتے ہیں کہ ''تنقید کا اصل اور بنیادی مقصد یہی ہے کہ وہ روشنی پھیلاتی ہے اور اس کے ہاتھوں زندگی میں جوش اور ولولے کے چراغ روشن ہوتے ہیں۔'' ادب میں تخلیق کے ساتھ ہی تنقید کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔اچھی تخلیق کے لیے سلجھے ہوئے تنقیدی شعور کا ہونا ضروری ہے اس طرح بے لاگ تنقید سے معیاری ادب تخلیق ہوتا ہے۔

۳۸۴ قبل مسیح، یونان کے ایک قصبے سٹاگرہ میں پیدا ہونے والے عظیم مفکر، فلاسفر اور سائنسدان ارسطو (ارسطاطالیس) نے پہلی مرتبہ تنقید کے اصول مقرر کیے۔اس حوالے سے اس کی شہرۂ آفاق تصنیف بوطیقا (Poetics) ۳۵۰ قبل مسیح میں منظرِ عام پر آئی۔اس کے بعد لان جائنس، کولرج، میتھیو آرنلڈ اور ٹی ایس ایلیٹ نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔رومانوی نقاد کولرج نے ۱۸۱۷ء میں بائیوگرافیا لٹریریا لکھ کر شہرت حاصل کی۔جدید فنِ تنقید کے بانی ٹی ایس ایلیٹ کو اس کے مضمون ''روایت اور انفرادی صلاحیت'' کی وجہ سے پذیرائی ملی۔اس قسم کی باتیں اس کتاب میں شامل ہیں۔

مصنف نے یہاں تنقید کی روایت اور لفظ تنقید پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ برصغیر میں انگریزوں کی آمد کے بعد یہاں اردو ادب میں تنقید کو فروغ ملا۔مہدی حسن افادی نے پہلی بار لفظ تنقید کو بطور اصطلاح استعمال کیا۔اردو تنقید کے ابتدائی آثار مشاعروں اور تذکروں میں ملتے ہیں۔زمانہ قدیم میں ادبی مراکز میں کم از کم دو نامور استاذ شعرا ہوتے تھے جن کے آگے متعدد شاگرد ہوا کرتے تھے۔مشاعرے میں دونوں اساتذہ کے شاگردوں کو مدمقابل بٹھایا جاتا۔اس طرح دونوں طرف کے شعرا کسی غلطی کی صورت میں ایک دوسرے پر تنقید کے نشتر برساتے۔تذکرہ دراصل بیاض کی ایک شکل ہے جس میں تذکرہ نگار اپنے ہم عصر شعرا کے حالاتِ زندگی کو ان کے کلام اور اس پر تنقیدی رائے کے ساتھ قلمبند کرتا تھا۔تذکرہ نگاری میں میر تقی میر کو اولیت حاصل ہے جنھوں نے ۵۱-۱۷۵۰ء میں تذکرہ ''نکات الشعرا'' لکھا۔نکات الشعرا کے بعد نواب مصطفیٰ خان کا تذکرہ ''گلشنِ بے خار'' (۱۸۳۴ء) خاص اہمیت رکھتا ہے۔فتح علی گردیزی کا تذکرہ ''ریختہ گویاں''، حمید اورنگ آبادی کا ''گلشنِ گفتار''، افضل بیگ کا ''تحفۃ الشعرا''، مصحفی کے تذکرہ ہندی، ریاض الفصحا اور عقد ثریا اس دور کے قابلِ ذکر تذکرے ہیں۔یہ تمام تذکرے فارسی زبان میں لکھے گئے۔اردو زبان میں لکھا جانے والا پہلا تذکرہ مرزا علی لطف کا تذکرہ ''گلشنِ ہند'' ہے۔تذکرہ نگاری کا یہ سلسلہ مولانا محمد حسین آزاد کی تصیف ''آبِ حیات'' (۱۸۸۰ء) تک جاری رہا۔یہ تذکرے تنقید کے مسلمہ اصولوں اور معیار پر تو پورا نہیں اترتے لیکن بہر حال یہ اردو تنقید کے نقشِ اول ضرور ہیں۔اردو تنقید کی روایت کو آگے بڑھانے میں قدیم تقریظوں اور تبصروں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

وہ مولانا الطاف حسین حالی کو جدید اردو تنقید کا پہلا اور باقاعدہ نقاد قرار دیتے ہیں جس سے اردو میں تنقید کا آغاز ہوا۔حالی نے ''مقدمۂ شعرو شاعری'' (۱۸۹۳ء) لکھ کر پہلی مرتبہ اردو تنقید کے منظم اور مربوط اصول وضع کیے۔مقدمہ شعرو شاعری کے پہلے حصے میں انھوں نے شعر کے نظریاتی مباحث کے حوالے سے شعر کی تعریف، اس کی تاثیر و افادیت اور الفاظ و معانی کی اہمیت بیان کرنے کے ساتھ اردو شاعری کے بنیادی اصول بھی مرتب کیے ہیں۔دوسرے حصے میں عملی تنقید کا نمونہ پیش کرتے ہوئے اردو ادب کی اہم اصناف کی تعریف، خصوصیات اور ان کے معیار کو بیان کیا ہے۔حالؔی کے بعد مولانا شبلی نعمانی کا نام اہمیت کا حامل ہے۔موازنۂ انیس و دبیر اور شعرالعجم ان کے تنقیدی نظریات کی مظہر ہیں۔رومانوی نقادوں میں شیخ عبدالقادر، عبدالرحمان بجنوری، مہدی افادی، نیاز فتح پوری، عبدالماجد دریا آبادی، مجنوں گورکھپوری، امداد امام اثر، سید سلیمان ندوی، مولوی عبدالحق، حسرت موہانی، شیخ محمد اکرام کے نام نمایاں نظر آتے ہیں۔''پنجاب میں اردو'' (۱۹۲۸ء) کے مصنف حافظ محمود شیرانی اردو لسانیاتی تنقید میں اولیت رکھتے ہیں۔اس حوالے سے ان کی تصانیف ''تنقیدِ آبِ حیات'' اور ''تنقیدِ شعرالعجم'' اہمیت کی حامل ہیں۔تاثراتی تنقید کے حوالے سے مجنوں گورکھپوری (احمد صدیق)، ترقی پسند/مارکسی تنقید میں سجاد ظہیر، نفسیاتی تنقید میں میراجی، امتزاجی تنقید کے حوالے سے سید عبداللہ، انور سدید، مشفق خواجہ، وحید قریشی، ڈاکٹر جمیل جالبی کے نام قابل ذکر ہیں۔وقت گزرنے کے ساتھ جہاں اردو ادب کی دیگر اصناف میں نئی جہتیں سامنے آئیں تو تنقید میں بھی نئے رجحانات کا اضافہ ہوا۔اس طرح کلاسیکیت، رومانیت، اصلاح پسندی، مابعد الطبیعیاتی، تاریخی اور اخلاقی حوالے سے تنقیدی نقطہ ہائے نظر کے علاوہ افادی، مادی، جمال پسندی، انقلابی، اشتراکی، نفسیاتی، تاثراتی، سائنسی اور تقابلی رجحانات نے جنم لیا۔

تنقید کا دائرہ آسان فہم لفظوں اور سادہ اسلوب میں لکھی گئی ایک ایسی کتاب ہے جو اپنے موضوع کا براہِ راست احاطہ کرتی ہے۔

کتاب: تنقید کا دائرہ
مصنف: ڈاکٹر محمد اشرف کمال
قیمت: 220 روپے
صفحات: 238
پبلشر: نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

این بی ایف کی جانب سے خیبر پختونخوا کے طلبہ کے لیے دوملین روپے تک کی درسی کتب کی مفت فراہمی

نیشنل بک فاؤنڈیشن کی جانب سے خیبر پختونخوا حکومت کو دی جانے والی کتب کی فراہمی کا سلسلہ جاری ہے۔اس سلسلے میں تورغر ضلع میں یکساں نصاب کتب کی بڑی تعداد پہنچا دی گئی۔نیشنل بک فاؤنڈیشن کے مینیجنگ ڈائریکٹر نے یہ کتب ڈپٹی کمشنر تورغر فواد کو پیش کیں۔اس موقع پر اسٹنٹ کمشنر جڑوبہ تحصیل بھی موجود تھے۔ڈپٹی کمشنر نے کتب کا معائنہ کیا

انھوں نے اس موقع پر نیشنل بک فاؤنڈیشن کے حکام سے بات چیت کی اور کہا کہ وہ تورغر میں لائبیریری قائم کر رہے ہیں اور اس سلسلے میں انھیں نیشنل بک فاؤنڈیشن کے ایم ڈی ڈاکٹر راجہ مظہر حمید کی جانب سے دوملین روپے کی صوبائی حکومت کو مفت کتب کی فراہمی کے اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔یہ کتب اسکولوں میں غریب اور نادار طلبہ کو مفت فراہم کی جائیں گی۔

Textbooks

from Primer to Grade-5

in accordance with Single National Curriculum 2020

Published by National Book Foundation

National Book Foundation as Federal Textbook Board

Head Office: 6-Mauve Area, Taleemi Chowk, G-8/4, Islamabad.

for orders and further details, please contact

Mr. Arshad Mehmood Qureshi: 0301-5008019, 051-9260391, NBF's Head Office Bookshop: 051-9261125

E-mail: books@nbf.org.pk, Website: www.nbf.org.pk, Facebook: www.facebook.com/nbfisb, Twitter: www.twitter.com/nationalbook1

Exclusive
Get 15% discount
on all NBF Textbooks
from our outlets
100% ORIGINAL PRODUCT
100% GENUINE
Get 50% discount
on NBF General Books
from our outlets
-15%
اردو
Price: Rs.90/-
-15%
Biology Grade 9
Price: Rs.140/-
-15%
PAKISTAN STUDIES for Grade 9
Price: Rs.80/-
-15%
مطالعۂ پاکستان 9
Price: Rs.80/-
-15%
FOOD AND NUTRITION GRADE 9
Price: Rs.120/-
-15%
Chemistry Grade 9
Price: Rs.180/-
-15%
COMPUTER SCIENCE GRADE 9
Price: Rs.150/-
-15%
Textiles & Clothing Grade 9
-15%
PHYSIOLOGY AND HYGIENE GRADE 9
-15%
GENERAL SCIENCE GRADE 9-10
Price: Rs.180/-
-15%
جنرل سائنس
Price: Rs.200/-
-15%
Chemistry GRADE 10
Price: Rs.180/-
-15%
COMPUTER SCIENCE GRADE 10
Price: Rs.160/-
-15%
Chemistry Grade 11
Price: Rs.270/-
-15%
Biology Grade 11
Price: Rs.290/-
-15%
COMPUTER SCIENCE GRADE 11
Price: Rs.180/-
-15%
اسلامیات
Price: Rs.80/-
-15%
CIVICS Intermediate (Part 1)
Dr. Abdul Qadir Khan
Price: Rs.45/-
-15%
سوکس
Price: Rs.100/-
-15%
PAKISTAN STUDIES GRADE 11 & 12
Price: Rs.130/-
-15%
مطالعۂ پاکستان
Price: Rs.130/-
-15%
پاکستانی کلچر
Price: Rs.80/-
-15%
PAKISTAN CULTURE
Price: Rs.200/-
-15%
Biology Grade 12
Price: Rs.280/-
-15%
Chemistry Grade 12
Price: Rs.260/-
-15%
COMPUTER SCIENCE GRADE 12
Price: Rs.170/-
-15%
CIVICS FOR INTERMEDIATE LEARNERS
Price: Rs.60/-
-15%
سوکس
Price: Rs.100/-
6-Mauve Area, Taleemi Chowk, G-8/4, Islamabad.
Phone: 051-9261125, 9260391, 0301-5008019
E-mail: books@nbf.org.pk, Website: www.nbf.org.pk
Facebook: www.facebook.com/nbfisb
Twitter: www.twitter.com/nationalbook1

National Book Foundation

Textbooks from Grade VI-XII

2021-22

-15%
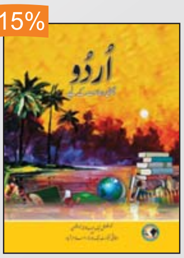

Price: Rs.170/-

-15%

Price: Rs.160/-

-15%
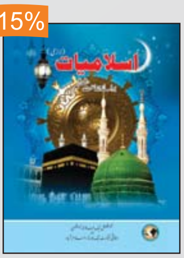

Price: Rs.110/-

-15%
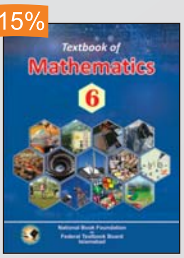

Price: Rs.220/-

-15%
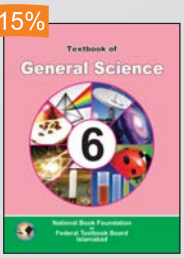

Price: Rs.150/-

-15%
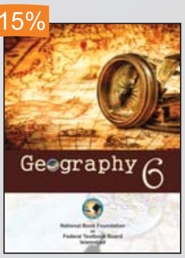

Price: Rs.100/-

-15%
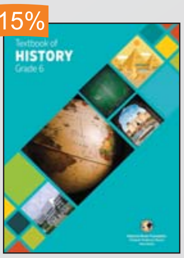

Price: Rs.150/-

-15%
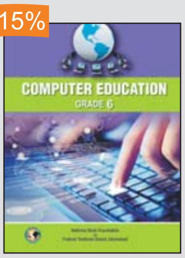

Price: Rs.90/-

-15%

Price: Rs.110/-

-15%
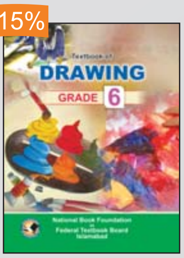

Price: Rs.100/-

-15%
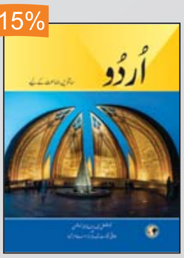

Price: Rs.160/-

-15%
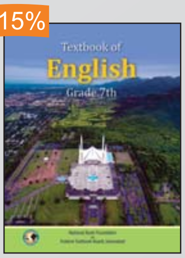

Price: Rs.150/-

-15%
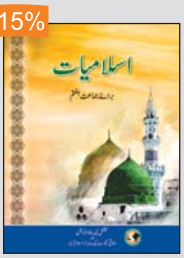

Price: Rs.110/-

-15%
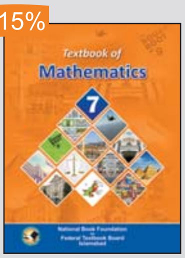

Price: Rs.250/-

-15%
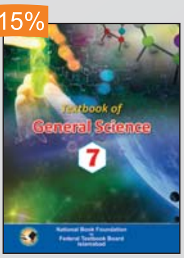

Price: Rs.140/-

-15%
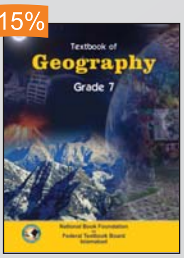

Price: Rs.110/-

-15%
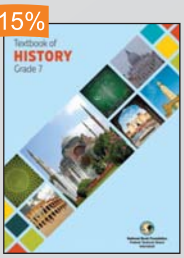

Price: Rs.140/-

-15%
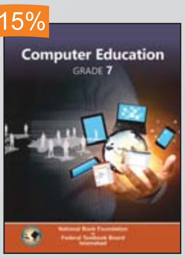

Price: Rs.100/-

-15%
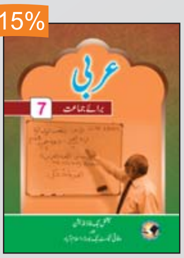

Price: Rs.125/-

-15%

Price: Rs.145/-

-15%
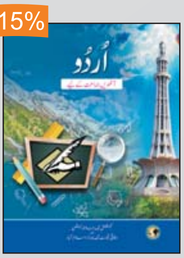

Price: Rs.130/-

-15%
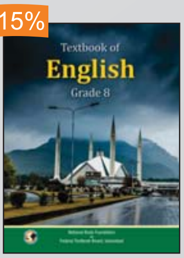

Price: Rs.120/-

-15%

Price: Rs.120/-

-15%
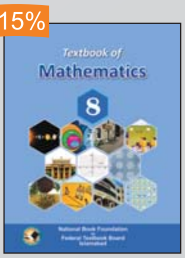

Price: Rs.230/-

-15%
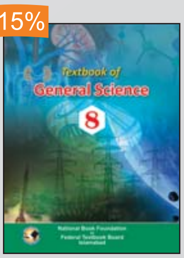

Price: Rs.230/-

-15%
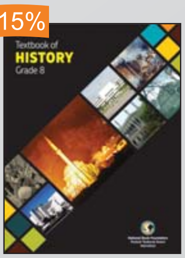

Price: Rs.100/-

-15%
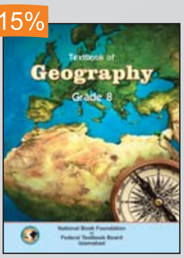

Price: Rs.130/-

-15%
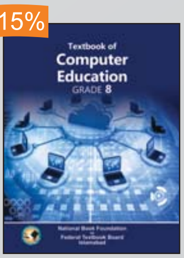

Price: Rs.120/-

-15%
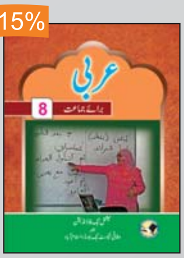

Price: Rs.130/-

-15%
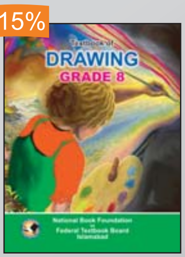

Price: Rs.110/-

National Book Foundation
as
Federal Textbook Board
6-Mauve Area, Taleemi Chowk, G-8/4, Islamabad.
E-mail: books@nbf.org.pk, nbftextbooks@gmail.com, Website: www.nbf.org.pk

بچوں کے ایوارڈ یافتہ ادیب محمد شعیب مرزا کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ بچوں کے ادب کے حوالے سے کیا جانے والا آپ کا کام ہی آپ کی شخصیت کا سنہری پہلو ہے۔ آپ کی اب تک کئی کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں اور مزید کئی کتابوں پر کام جاری ہے۔ آپ کی شائع شدہ کتب پر آپ کو ایوارڈز اور کیش پرائز مل چکا ہے۔ زیرِ نظر کتاب ''آخری تحفہ'' ماؤں کے عالمی دن کے حوالے سے شائع ہونے والی کتاب ہے۔ اس کتاب میں ماں کی محبت سے بھرپور نئی نسل کے لیے سبق آموز کہانیاں شامل ہیں۔

تبصرہ: تہذین طاہر

کتاب کے حوالے سے مینیجنگ ڈائریکٹر نیشنل بک فاؤنڈیشن کا کہنا ہے کہ ''نیشنل بک فاؤنڈیشن کی جانب سے نئی منصوبہ بندی کے تحت علم و ادب، سائنس، فلسفہ، تاریخ، جغرافیہ، اسلامیات، اخلاقیات، طب، حکمت و دانائی اور بچوں کے ادب پر کتب کی اشاعت تسلسل سے جاری ہے۔ اس ضمن میں کوشش کی جاتی ہے کہ قارئین کے ذوقِ مطالعہ اور بچوں کی دلچسپی کو مدِنظر رکھتے ہوئے طبع زاد اور تراجم پر مبنی مفید اور معلوماتی کتب شائع کی جائیں تاکہ یہ بچوں کی شخصیت سازی، کردار سازی اور ذہنی استعداد کو بڑھانے کے لیے مثبت سرگرمیوں کی تشکیل میں ممد و معاون ثابت ہوں۔ موجودہ کتاب ''آخری تحفہ'' بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ محمد شعیب مرزا بچوں کے معروف ادیب ہیں۔ بچوں کے لیے ان کی کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن پر انھیں ایوارڈ بھی ملے۔ ان کی مرتب کردہ کتاب ''بچوں کے لیے مشہور ادیبوں کی بہترین کہانیاں'' این بی ایف نے شائع کی تھی جو بہت مقبول ہوئی۔ اُمید ہے کہ ان کی یہ کتاب بھی اپنے موضوع اور سلیس زبان کے باعث بچوں اور والدین میں پسند کی جائے گی''۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن کے موجودہ ایم ڈی ڈاکٹر راجہ مظہر حمید بھی بچوں کے لیے کتب کی اشاعت کو بہت اہمیت دے رہے ہیں اور فروغِ ادب کے لیے کئی منصوبوں پر کام کر رہے ہیں۔

مرتب: شعیب مرزا

یہ کتاب مرتب کرنے کا مقصد نئی نسل کو ماں کے درجات اور قدر کا احساس دلا کر ان کے دلوں میں والدین خاص طور پر ماں کی محبت، احترام اور ان کی خدمت کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ کیونکہ بدقسمتی سے ہماری نئی نسل والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی خدمت سے غافل ہوتی جا رہی ہے۔ والدین کی خدمت کرنے کے بجائے اپنا وقت کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور موبائل پر صَرف کرنے لگی ہے۔ والدین کی نافرمانی اور ان سے بدتمیزی کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کتاب کے ذریعے بچوں کے دلوں میں والدین کی عزت اور احترام کو اجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے اور ساتھ ساتھ کتاب دوستی کی بھی دعوت دی گئی ہے۔ کیونکہ موبائل اور انٹرنیٹ نے بچوں کو نہ صرف نصابی کتب سے دور کر دیا ہے بلکہ کہانیوں کی کتابوں سے بھی ان کی توجہ چھین لی ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کی وجہ سے بچوں کے دلوں میں کتاب دوستی کے اہمیت ماند پڑ رہی ہے۔ کتاب کی اہمیت کو نئی نسل میں پروان چڑھانے کے لیے ''آخری تحفہ'' جیسی کتابوں کی اشاعت قابلِ ذکر

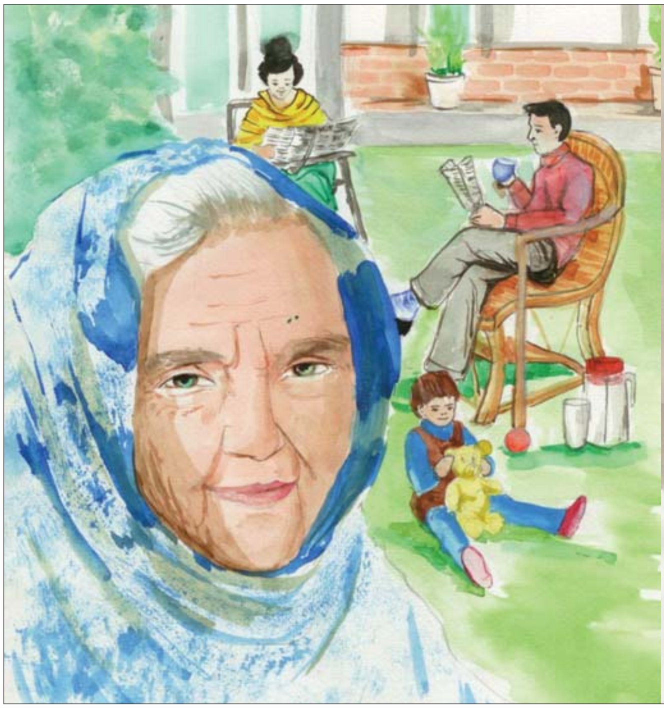

اورلائقِ تحسین ہے۔اس سے نہ صرف بچوں کوسبق آموز مواد پڑھنے کو ملے گا بلکہ کتابوں کی اہمیت کا بھی اندازہ ہوگا۔

محمد شعیب مرزا نے کتاب کے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ ''نیشنل بُک فاؤنڈیشن قابلِ تحسین ہے کہ بچوں کے لیے معیاری، مقصدی اور دلچسپ کتابیں کم قیمت پر شائع کر کے یہ ادارہ بچوں کے ادب کی خدمت کرنے کے ساتھ نئی نسل کی تربیت اور کردار سازی بھی کر رہا ہے۔نئی نسل کو چاہیے کہ جن کے والدین زندہ ہیں ان کی زیادہ سے زیادہ خدمت کریں اور جو اس دنیا میں نہیں ہیں ان کی مغفرت اور درجات کی بلندی کے لیے دعا اور ایصالِ ثواب کریں۔اس طرح آپ کے والدین اور اللہ تعالیٰ آپ سے خوش اور راضی ہوں گے اور آپ بھی جنت کے حق دار ٹھہریں گے۔ان شاءاللہ''۔

''آخری تحفہ'' کتاب میں بہت سے مشہور ادیبوں کی یادگار کہانیاں شامل کی گئی ہیں جن سے اس کتاب کی اہمیت کو مزید تقویت ملی ہے۔ان کہانیوں میں ماں کی عظمت کو اجاگر کیا گیا ہے اور تمام ادیبوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے اپنی ماؤں کو عظیم خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان چاہے جتنا بھی بڑا اور مشہور ہو جائے ماں کی محبت اس کے دل میں جاگزیں رہتی ہے اور جن کی مائیں وفات پا چکی ہیں تو وہ بھی ساری عمر ماں کی محبت اور شفقت کو نہیں بھول پاتے اور اس کی کمی محسوس کرتے رہتے ہیں۔
کتاب میں جن مشہور شخصیات کی کہانیاں شامل ہیں ان میں احمد ندیم قاسمی، ممتاز مفتی، قدرت اللہ شہاب، صدیق سالک، اشفاق احمد، اصغر ندیم سید، سید نظر زیدی، محمد شعیب مرزا، نذیر انبالوی، شاہد اقبال، ڈاکٹر فضیلت بانو، عبدالرحیم خان، حنا نرجس، ارحم ندیم، کہف الوریٰ رانا، فرزانہ ریاض، سیدہ نرجس فاطمہ، اقراء اجمل، ہما حسین، محمد زاہد، نجمہ ثاقب شامل ہیں۔کتاب کا سرورق خوبصورت انداز میں ڈیزائن کیا گیا ہے۔کتاب میں دلچسپی بڑھانے کے لیے رنگین تصاویر بھی شامل کی گئی ہیں جو قاری کی توجہ نہ ہٹنے دیتی ہیں نہ بٹنے دیتی ہیں۔آج کی نوجوان نسل اور بچوں کے لیے یہ کتاب کسی تحفے سے کم نہیں۔محمد شعیب مرزا کی یہ تخلیق نئی نسل کی تربیت اور ان کے دلوں میں والدین سمیت اپنے بڑوں اور بزرگوں کی عزت کو پروان چڑھانے میں اہم کردار کرے گی۔آخر میں دعا ہے کہ محمد شعیب مرزا صاحب کے قلم سے ایسی ہی سبق آموز کہانیاں آبشار کی طرح نکلتی رہیں تاکہ آنے والی نسل اس سے بھرپور فائدہ اٹھا سکے۔اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

کتاب: آخری تحفہ
مرتب: محمد شعیب مرزا
قیمت: 170 روپے
صفحات: 114
پبلشر: نیشنل بُک فاؤنڈیشن
اسلام آباد

ہمارے سامنے پروفیسر عفت گل اعزاز کی کتاب "پیاری چڑیا" موجود ہے۔اِس کتاب میں بچوں کے لیے اُنیس کہانیاں شامل ہیں۔

پروفیسر عفت بنیادی طور پر ایک معلّمہ ہیں اور ایک کامیاب ادیبہ بھی۔اُن کا نصب العین خیر پھیلانا ہے اور وہ بڑے موئثر انداز سے اچھی باتیں، اچھے رویّے اور اچھے خیالات اپنے قارئین تک پہنچاتی ہیں۔جس طرح ایک اُستاد اپنے شاگردوں کے لیے مشفق رہنما ہوتا ہے اور اُن کی رہنمائی کا فریضہ ادا کرتا ہے، انھیں علم کی روشنی عطا کرتا ہے اس طرح وہ خلوص اور محبت کے ساتھ اپنے قارئین کی زندگی میں مثبت رویّے اور تعمیری سوچ کی جانب رہنمائی کرتی ہیں۔

تبصرہ: صباحت عمران

مصنفہ بچوں کی دلچسپی کے موضوعات پر قلم اُٹھاتی ہیں۔اُن کی کہانیوں میں بچپن کی معصومیت اور شوخیاں، بچوں کی تمنائیں اور اُن کے احساسات کی ترجمانی نظر آتی ہے۔ بچوں کی نفسیات کو مدِنظر رکھتے ہوئے وہ مسائل کا حل تلاش کرتی ہیں۔اُن کا اندازِ تحریر سادہ اور دلنشین ہے۔زبان آسان ہے جسے بچے باآسانی سمجھ سکتے ہیں۔واقعات میں روانی اور تسلسل اُن کی خاص بات ہے۔مکالمات نہایت دلچسپ اور برمحل ہوتے ہیں۔ اُن کی کہانیاں وطن سے محبت انسانیت کا احترام، والدین کا ادب اور بلند کرداری کا سبق دیتی ہیں۔اِن کی کتابوں میں تجسس ہوتا ہے جو پڑھنے والے کو مجبور کرتا ہے کہ کہانی کو آخر تک پڑھ کر مکمل کیا جائے۔کہانیوں میں دلچسپی کا عنصر اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ انھوں نے بچوں کے لیے بہت سے موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں۔سیرتِ طیبہ پر اُن کی کتاب "روشن مثال" کو حکومت کی طرف سے ایواڈ بھی دیا گیا۔انھوں نے سائنس کے موضوعات پر بھی بچوں کے لیے سولہ کتابیں لکھی ہیں۔وہ بچوں کے لیے لکھنے والے ادیبوں میں ممتاز مقام رکھتی ہیں۔انھیں بہت سے ایواڈ بھی مل چکے ہیں۔ "ماں پیاری ماں" اُن کی کتاب "پیاری چڑیا" میں ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک لڑکی گلزار فاطمہ کی ماں اسکول میں آیا کا کام کرتی ہے۔وہ نوکری کر کے جو پیسے کماتی ہے وہ اپنے بچوں پر خرچ کرتی ہے تا کہ اُن کی ضروریات پوری کر سکے اور خاص طور پر اِس لیے کہ اُس کی بیٹی گلزار فاطمہ کی تعلیم کے اخراجات پورے ہوسکیں۔بیٹی کو اُس کا یہ روپ یعنی آیا کا کام کرنا باعثِ شرم محسوس ہوتا ہے وہ سوچتی ہے کاش میری ماں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتی اور وہ اسکول میں آیا نہ ہوتی بلکہ ٹیچر ہوتی، جس کی سب عزت کرتے ہیں۔بیٹی اپنی ماں کی محبت اور قربانیوں کو نظر انداز کرتی ہے اور ماں کے ساتھ اُس کا رویہ تلخ ہوتا ہے اور وہ ماں کی بے قدری کرتی ہے۔اُس کی ایک سہیلی کی والدہ کا انتقال ہو جاتا ہے۔اپنی سہیلی کو روتے دیکھ کر اُسے خیال آتا ہے کہ اُس کی ماں مرگئی مگر میری ماں ابھی زندہ ہے۔اُسے اپنے رویّے پر ندامت ہوتی ہے اور وہ ماں سے اپنے بُرے سلوک پر معافی مانگتی ہے۔

مصنفہ: عفت گل اعزاز

" پیاری چڑیا" ایک خوبصورت کہانی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ مونا کے گھر میں ایک

خوبصورت باغیچہ ہے جس میں بہت سے پھولدار درخت اور جھاڑیاں ہیں اور اُن پودوں پر پرندے آکر بیٹھتے ہیں۔ اُن کے لیے دانہ اور پانی رکھا جاتا ہے۔ جس سے اُن پرندوں کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایک صبح جب مونا گہری نیند سو رہی تھی، ایک چڑیا مونا کے کمرے کے قریب زور زور سے آوازیں نکالتی ہے جس سے مونا کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ نیند خراب ہونے سے مونا کو بہت غصہ آتا ہے۔ اُس کا جی چاہتا ہے کہ وہ چڑیا کی خوب مرمت کرے اُس کے ساتھ ہی اُسے یہ خیال آتا ہے کہ یہ پرندے ہیں، یہ صبح سویرے اُٹھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں۔ ہم انسان ہیں ہم بستر پر پڑے سوتے رہتے ہیں۔ یہ فجر کا وقت ہے مجھے بھی اُٹھ کر نماز پڑھنی چاہیے۔ چنانچہ وہ جاگ جاتی ہے اور وضو کر کے نماز پڑھتی ہے اور سوچتی ہے پیاری چڑیا تم کتنی اچھی ہو کہ تم نے مجھے جگایا اور میں نے نماز پڑھ لی۔

ایک اور کہانی " گل دستہ " میں بتایا گیا ہے کہ ایک اسکول میں دو لڑکیاں ساتھ ساتھ پڑھتی ہیں۔ ایک لڑکی نادیہ بہت ذہین اور محنتی ہے۔ اُسے تمام اساتذہ بہت پسند کرتے ہیں، اُسکی تعریف کرتے ہیں اور خوش رہتے ہیں۔ یہ بات سیما کو بہت بُری لگتی ہے۔ وہ نادیہ کی کامیابی سے حسد کرتی ہے۔ وہ اُس کے ساتھ دشمنی کا رویہ اپناتی ہے اور اُسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتی ہے۔ اُس کے رویے سے نادیہ اُس کے لیے پھولوں کا گلدستہ لے کر جاتی ہے۔ سیما بہت شرمندہ ہو جاتی ہے۔ اس طرح بُرائی کا جواب بھلائی سے دیتی ہے جو دلوں کی نفرت کو ختم کر دیتا ہے۔

"قیدیوں کی گاڑی" بھی ایک دلچسپ کہانی ہے جس میں بچے سڑک پر قیدیوں کی گاڑی سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ حمزہ ایک چھوٹا لڑکا ہے۔ اُس کے پاپا اُسے بتاتے ہیں کہ جو لوگ کوئی جرم کرتے ہیں اُنھیں جیل میں قید کر کے رکھا جاتا ہے، وہ نہ اپنے گھر جا سکتے ہیں نہ اپنی مرضی سے آزاد گھوم سکتے ہیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم بُرے کام نہ کریں کیونکہ بُرے کام کا انجام بُرا ہی ہوتا ہے۔

اُن کی دیگر کہانیوں میں بھی اصلاح کا پہلو واضح ہے۔ اُمید کی جاسکتی ہے کہ ہمارے بچے اِن کہانیوں سے ضرور کچھ اچھا سبق سیکھیں گے اور کل کو وہ اچھے مسلمان بن سکیں گے۔

کتاب:	پیاری چڑیا
مصنف:	عفت گل اعزاز
قیمت:	190 روپے
صفحات:	158
پبلشر:	نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

Children Books
of
National Book Foundation
Fresh Arrivals

Price: Rs.250/-

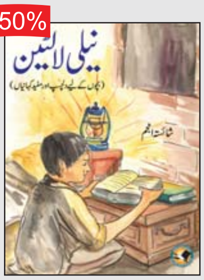

Price: Rs.140/-

Price: Rs.250/-

Price: Rs.170/-

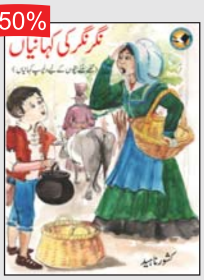

Price: Rs.250/-

Price: Rs.160/-

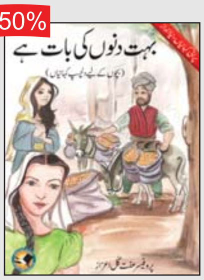

Price: Rs.230/-

6-Mauve Area, Taleemi Chowk, G-8/4, Islamabad.
Phone: 051-9261125, 9260391, 0301-5008019
E-mail: books@nbf.org.pk, Website: www.nbf.org.pk
Facebook: www.facebook.com/nbfisb
Twitter: www.twitter.com/nationalbook1

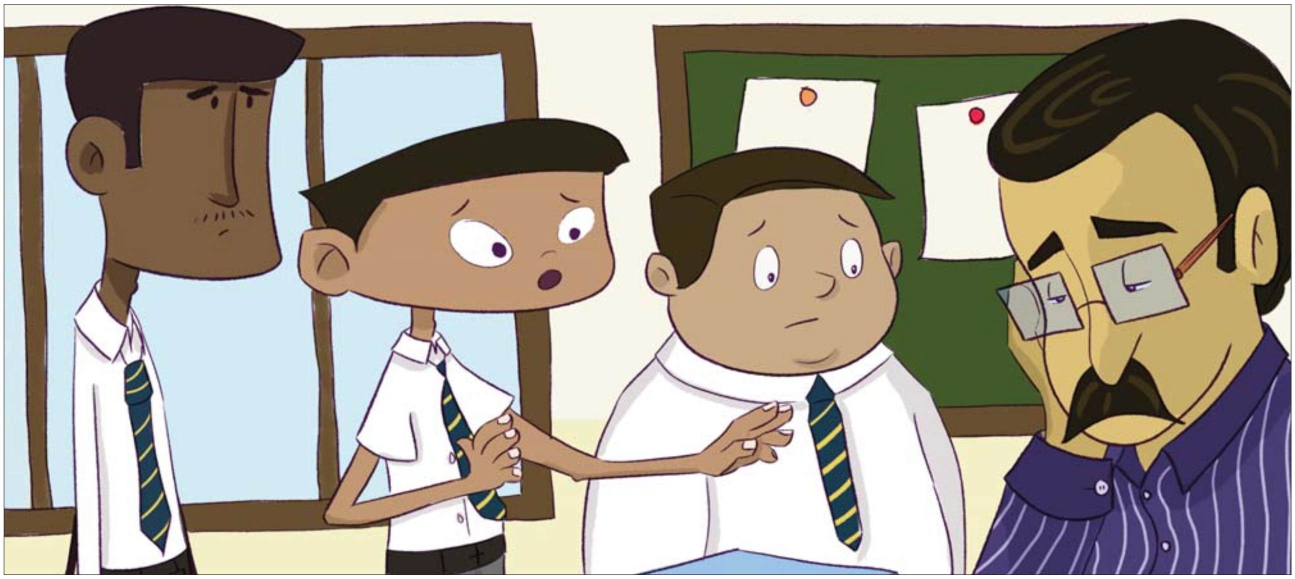

کھیر کی تلاش

نواب کرم دین آف قابل پور نے زور زور سے ناک چڑھا کر خوشبو سونگھنے کی کوشش کی اور بڑبڑائے ’’ہمارا خیال ہے کہ کھیر پک کر تیار ہوگئی ہوگی۔‘‘

وہ جلدی سے کچن میں داخل ہونے لگے کہ انتہائی موٹا باورچی تیزی سے باہر نکلا، جس سے ٹکر کھا کر نواب صاحب دھڑام سے نیچے گرے اور اُن کی لمبی سی ٹوپی دُور جا پڑی۔

مصنف: محمد ادریس قریشی

’’ابے ناہنجار! اگر خدانخواستہ تم ہمارے اُوپر گر جاتے تو ہمارا تو بن جاتا فالودہ۔‘‘ نواب صاحب گرجے۔

’’لیکن مالک اس سردی کے موسم میں فالودہ تو کوئی بھی نہیں کھاتا۔‘‘ باورچی نے لقمہ دیا۔

’’اُوٹ پٹانگ مت بولو، جلدی سے بتاؤ کھیر کہاں تک پہنچی ہے؟‘‘ وہ بولے۔

’’جناب کھیر دیگچے کے اندر ہے اور ابھی آپ کی توند شریف میں پہنچنے والی ہے۔‘‘ جواب ملا۔

ایک اور ملازم قریب آتے ہوئے بولا ’’یہ توند اتنی شریف ہے برادر کہ پانچ کلو کھیر کھا جاتی ہے۔‘‘

’’ارے تم لوگ ہمارے چھوٹے سے پیٹ کو توند کہہ کر مذاق اُڑا رہے ہو۔ ہم تمھیں نوکری سے نکال دیں گے۔‘‘ نواب صاحب نے سخت غصے میں کہا۔

’’تو پھر نواب صاحب آپ کی کھیر کون پکائے گا۔ یاد رہے کہ پوری ریاست کے باورچی بلا کر آپ نے اُن کے درمیان کھیر پکانے کا مقابلہ کرایا تھا اور اس مقابلے میں ہماری پکائی ہوئی کھیر ہی آپ کو پسند آئی تھی۔‘‘ موٹے باورچی نے سر ہلایا۔

’’اچھا، مذاق بند کرو، ہم بے تاب ہوئے جا رہے ہیں۔ دیگچے کا ڈھکن اُٹھاؤ اور ہمیں کھیر کی شکل دکھاؤ، ارے چوبیس گھنٹے گزر چکے ہیں اور ابھی تک ہم نے کھیر کی شکل نہیں دیکھی۔‘‘ نواب صاحب نے لمبی سی چھڑی ہوا میں لہرائی۔

وہ تینوں باورچی خانے میں گھس گئے۔ باورچی نے ایک بڑے سے دیگچے کا ڈھکن اٹھایا تو اُس کے منہ سے ایک تیز چیخ نکلی۔

نواب کرم دین اور دوسرے ملازمین نے بھی دیگچے میں نظر ڈالی تو چلا اُٹھے۔ کھیر کا دیگچہ بالکل خالی تھا۔ اُس میں کھیر کا نام ونشان تک نہیں تھا۔

’’یہ نہیں ہوسکتا، ابھی تو اس میں کھیر تھی بلکہ اتنی کھیر تھی کہ اُبل اُبل کر باہر گرنے کو تھی۔‘‘ موٹا باورچی آنکھیں پھاڑے دیگچے کو دیکھے جا رہا تھا۔

’’تو پھر کھیر کہاں گئی؟‘‘ نواب صاحب چیخے۔

’’میرا خیال ہے کہ کھیر ہمیں نظر نہیں آ رہی۔ یہ دیگچے میں ہی ہے چلو ذرا ہاتھ ڈال کر دیکھتے ہیں۔‘‘ موٹے باورچی نے دیگچے میں ہاتھ ڈالا اور پھر انگلی چاٹتے ہوئے بولا ’’کھیر بالکل بے مزہ اور پھیکی ہے۔‘‘

’’ابے اُلو کی دُم! کھیر تو ہے ہی نہیں۔‘‘ دوسرا ملازم چیخا۔

نواب کرم دین آف قابل پور کھانے پینے کے بہت شوقین تھے۔ وہ صبح ناشتے میں پانچ بریڈ اور ایک درجن انڈے کھاتے تھے۔ دوپہر کو لنچ میں بکرے کی ایک روسٹ ران سے شغل فرماتے تھے اور رات کو صرف کھیر کھاتے تھے۔ ایک بڑا دیگچہ صبح سے ہی پکنا شروع ہو جاتا تھا۔ کھیر میں بڑے لوازمات یعنی بادام، پستہ، گری اور کھویا وغیرہ ڈالے جاتے تھے اور جب کھیر خوب پک پک کر سرخ ہو جاتی تب نواب صاحب رات کو ڈنر میں پورا دیگچہ اکیلے ہی چٹ کر جاتے تھے۔

آج عین کھیر کے وقت اُن کے دیگچے سے پکی پکائی کھیر غائب ہو چکی تھی اور وہ سٹ پٹائے پھر رہے تھے۔

نواب صاحب نے محل کے سارے ملازم جمع کر لیے اور چیخ چیخ کر آج ہونے والے نقصان کے بارے میں بتایا۔ ایک پتلے سے ملازم نے کہا:

’’مالک! جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں؟‘‘

’’ہاں ہاں، بولو، جلدی بولو۔‘‘ نواب صاحب نے کہا۔

’’وہ جناب میں ایک طریقہ بتاتا ہوں۔ آپ پوری ریاست میں اعلان کرا دیں کہ آپ کی کھیر غائب ہوگئی ہے اور کھیر تلاش کرنے والے کو منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔‘‘

نواب صاحب نے کہا’’ ہاں، یہ ٹھیک ہے یوں کیا جائے ریاست کے دس دانش وروں کو بلایا جائے اور وہ اس اعلان کے بارے میں اپنی رائے دیں تاکہ بعد میں ہماری سبکی نہ ہو۔‘‘

’’نواب صاحب آپ اعلان کے بارے میں کیا رائے حاصل کرنا چاہتے ہیں؟‘‘ ایک گنجا نوکر بولا۔

’’تم خاموش رہو اور دس دانش ور حاضر کیے جائیں۔‘‘ نواب صاحب گرجے۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد دس عجیب وغریب حلیوں والے لوگ ایک قطار میں کھڑے کر دیے گئے جنھیں دیکھ کر خود عقل و دانش حیران تھی۔

نواب صاحب نے اپنی لمبی سی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا’’ تم سب عقل مند لوگ ہو۔ ہم اپنی ریاست میں کھیر کی گم شدگی کے بارے میں اعلان کروانا چاہتے ہیں۔ تم یہ بتاؤ گے کہ یہ اعلان کیسا ہونا چاہیے۔‘‘

ایک دانش ور نے کہا’’ حضرات! ایک ضروری اعلان سنیے۔ نواب صاحب کی کھیر غائب ہوگئی ہے۔ اگر کسی کو اس بارے میں کچھ علم ہو تو مطلع فرمائیے۔‘‘

’’خاموش! نانہجار، ایسا اعلان تو بچہ بھی بتا سکتا ہے، کوئی دوسرا دانش ور اعلان بتائے۔‘‘ نواب صاحب چیخے۔

ایک اور دانش ور نے کھانستے ہوئے کہا’’ میرے خیال میں اعلان یوں ہونا چاہیے۔ نواب صاحب کی کھیر دیگچے سے کسی نے چرا لی ہے۔ چور خود حاضر ہو جائے، اُسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔‘‘

’’خاموش۔‘‘ نواب صاحب گرجے’’ چور کو ہم جان سے مار دیں گے اور تم کہہ رہے ہو، کچھ نہیں کہا جائے گا۔ اگلا دانش ور اعلان بتائے۔‘‘

اسی طرح باری باری تمام دانش ور اعلان بتاتے رہے لیکن نواب صاحب اُن پر سخت برہم ہوتے رہے لیکن آخری دانش ور کے اعلان پر نواب صاحب پھڑک اٹھے’’ ہاں، بالکل یہ ٹھیک ہے، اس سے اچھا اور خوب صورت اعلان ہو ہی نہیں سکتا۔‘‘

اعلان یہ تھا:’’ حضرات! نواب صاحب کے دیگچے سے کھیر نکل کر کہیں بھاگ گئی ہے۔ اگر کھیر اعلان سنے تو خود ہی واپس آجائے، ورنہ نواب صاحب کو کھیر کے بجائے کھیرے کھا کر سونا پڑے گا۔‘‘

بس پھر کیا تھا، یہ اعلان بتانے والے دانش ور کے گلے میں موتیوں کے ہار ڈالے گئے اور محل کے دو ملازم ایک بانس پر لاؤڈ سپیکر لگا کر ریاست کی سڑکوں اور گلیوں میں اعلان کرتے ہوئے گزرنے لگے۔ رات کا اندھیرا ابھی اچھی طرح نہیں پھیلا تھا۔ پھر بھی قمقمے جلنا شروع ہو چکے تھے۔ جو کوئی بھی اعلان سنتا، دانت نکال نکال کر ہنستا۔

دو گھنٹے تک اعلان ہوتا رہا لیکن کھیر واپس نہیں آسکی۔ آخر نواب صاحب نے ایک بڑے سے کمرے میں میٹنگ بلائی اور سب مشیر حاضر کر لیے گئے۔

’’اگر ہماری کھیر نہیں ملی تو ہم تم سب کو محل سے نکال دیں گے، کیوں کہ تم سب میں سے کوئی بھی کھیر کا چور ہو سکتا ہے۔‘‘

ایک مشیر نے کہا’’ نواب صاحب میں آپ کو ایک طریقہ بتاتا ہوں۔ آپ محل کے سب ملازموں کو باری باری حاضر کریں اور اُن کی مونچھیں غور سے دیکھیں جس کسی نے بھی آپ کی کھیر چاٹی ہوگی، ضرور اُس کی مونچھوں پر کھیر بھی لگی ہوگی۔‘‘

’’ہوں! تم نے یہ ترکیب پہلے کیوں نہیں بتائی۔ تمھیں سزا کے طور پر قید کیا جاتا ہے تاکہ تم آئندہ وقت پر صحیح ترکیب بتا سکو۔‘‘ نواب صاحب نے غصے میں کہا۔

’’نہیں نواب صاحب نہیں! یہ فیصلہ انصاف کے مطابق نہیں ہے، میرے ذہن میں جوں ہی ترکیب آئی۔ میں نے آپ کے گوش گزار کر دی۔ براہِ کرم مجھے قید خانے میں مت ڈالا جائے کیوں کہ ابھی میری آپ کو ضرورت پڑ سکتی ہے۔‘‘ مشیر گھبرا کر جلدی جلدی بولا۔

’’اچھا، اچھا۔ یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔ چلو اب یوں کیا جائے سارے ملازموں کو باری باری حاضر کیا جائے تاکہ ہم اُن کی مونچھوں کا معائنہ کر سکیں۔‘‘ نواب صاحب نے کہا۔

سب سے پہلے ایک ملازم کو اندر پیش کیا گیا تو اُس کی مونچھیں ایسے صاف تھیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

’’ابے نانہجار، تیری مونچھیں کہاں گئیں؟‘‘ نواب صاحب چیخے۔

(بقیہ آئندہ شمارے میں)

کتاب: من چلی کہانیاں
مصنف: محمد ادریس قریشی
قیمت: 250 روپے
صفحات: 80
پبلشر: نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد

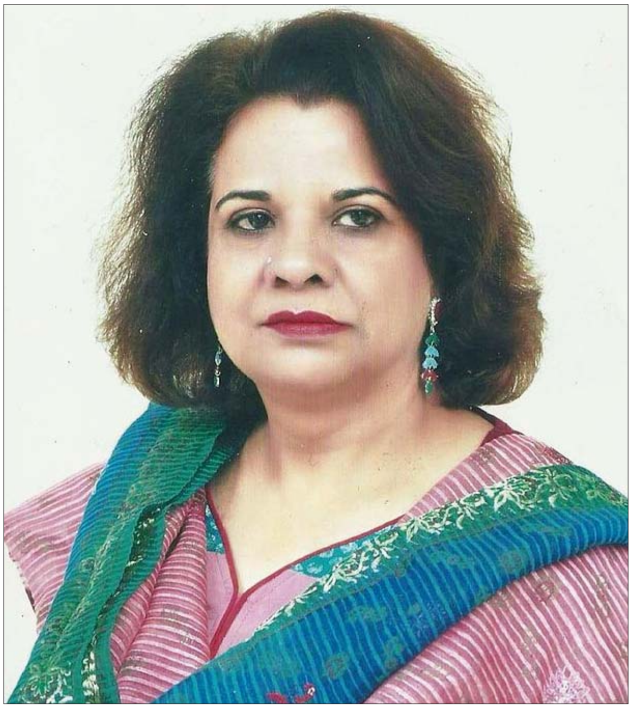

تصویر: مسرت کلانچوی

ادبی دنیا میں مسرت کلانچوی کا نام محتاجِ تعارف نہیں، وہ معروف افسانہ نگار، ڈرامہ نگار اورناول نویس ہونے کے ساتھ ساتھ براڈ کاسٹر بھی ہیں۔ ماہر تعلیم ہیں۔ اردو سرائیکی اور پنجابی زبان میں ان کی متعدد تخلیقات منظر عام پر آچُکی ہیں۔ آج کل وہ زیادہ تر توجہ مصوری اور بچوں کے ادب پر دے رہی ہیں۔ بچوں کے لیے بھی قبل ازیں ان کی کئی کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ وہ ایک ماں بھی ہیں اوراس بات کو بخوبی محسوس کرتی ہیں کہ بچوں کو کہانیاں سنانا اور پھران کے لیے کہانیاں لکھنا کتنا ضروری ہے۔ ملک کے موقر جرائد اور بچوں کے رسائل میں شائع کی گئی اُن کی کہانیاں خاصی پذیرائی حاصل کرچکی ہیں۔

تبصرہ: غلام زہرہ

بچے قوم کا سرمایہ اور مستقبل ہونے کے ساتھ قوم کی تہذیب وثقافت کے امین ہوتے ہیں۔ اُن کے لیے معیاری تخلیقات اور کتابوں کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ اسی سوچ کے پیشِ نظر مسرت کلانچوی آج کل بچوں کے ادب پر خصوصیت سے توجہ دیئے ہوئے ہیں۔

مسرت کلانچوی کے مطابق بچپن سے بچوں کے لیے کہانیاں لکھنا شروع کیں پھر ریڈیو پاکستان بہاولپور سے بچوں کے لیے ڈرامے لکھے اور اب ایک لمبی مدت کے بعد بچوں کے ادب کی طرف لوٹ آئی ہوں۔ یہ میری بچوں کو کتابی کہانیوں کی طرف متوجہ کرنے کی خواہش اور کوشش ہے اور حقیقت میں یہ ایک بہت ہی اچھی کوشش ہے کیونکہ ہمارے ہاں بچوں کے ادب پر بہت زیادہ کام نہیں ہوا۔ زیرِ نظر کتاب چودہ کہانیوں نیا رشتہ، اور ناک لمبی ہوگئی، واپسی کا سفر، کالے ہاتھ، امن کا سفیر، احساس، پھولوں بھرا راستہ، گل بہار، مٹی کی خوشبو، ہم ایک ہیں، روشن راستہ، وطن کی مٹی، آنکھوں میں اُترا چانداورلگن پر مبنی ہیں۔ ہر کہانی آغاز سے اختتام تک دلچسپی کا انداز لیے ہوئے ہے اس کے ساتھ سبق آموز اور باتصویر بھی، جس سے بچوں پر بہت اچھا تاثر پڑتا ہے اور کہانیوں کے نام بھی اپنی نوعیت کے ہیں جیسے ناک لمبی ہوگئی۔ اس طرح کے نام بچوں کے لیے کشش کا باعث بنتے ہیں۔ کہانی ''کالے ہاتھ'' سے ہاتھ'' سے پہلا تاثر یہ پڑتا ہے کہ کالے ہاتھ سے متعلق ہے مگراس میں جو سبق دیا گیا ہے وہ ملاحظہ کیجئے۔ ''شام کوندا کے ابو گھر آئے تو سیدھا نل کے پاس گئے پھر آواز دی ندا بیٹی۔۔۔نل میں پانی نہیں آرہا۔ لوٹے میں پانی لے آؤ''

ندا پانی لے کرگئی اوراپنے ابو کا ہاتھ دھلوانے لگی۔ ابو بولے زیادہ پانی ڈالو۔ آج تو ہاتھ زیادہ کالے ہوگئے ہیں''۔ ندا بولی۔۔۔ابو کالے ہاتھ اُن کے ہوتے ہیں جو کالا دھندہ کرتے ہیں آپ تو محنت کرتے ہیں حلال کماتے ہیں آپ کے ہاتھوں پر کالا رنگ لگ بھی جائے تو پھر بھی یہ صاف ہیں''۔

میری بیٹی تو بہت سیانی ہوگئی ہے'' ابو نے ہنس کر کہا اور ندا کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا''

اسی طرح امن کے سفیر کا اختتام ملاحظہ کیجئے

''اٹھو ساحر۔۔۔۔ مجھے پیار کے گیت سناؤ دنیا کے تمھارے محبت بھرے گیتوں کی ضرورت ہے۔ ہم تمھارا امن بھرا پیغام سننا چاہتے ہیں اٹھو ساحر۔۔۔۔ تمھیں بہترین موسیقار کا ایوارڈ دیا جا رہا ہے۔ آنکھیں کھولو میرے دوست ساحر نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں ان آنکھوں میں زندگی جگمگا رہی تھی۔

اسی طرح ہر کہانی پیار محبت خلوص ایمانداری یقین، رزقِ حلال کا درس دیتی ہے۔ اگر بچے ان کہانیوں کا مطالعہ کریں تو بچپن سے ان کے کردار وشخصیت پر مثبت اثرات مرتب ہونا شروع ہوجائیں گے جوان کے مستقبل کے لیے بہت ضروری ہے۔

کتاب:	پھولوں بھرا رستہ
مصنف:	مسرت کلانچوی
قیمت:	180/-
صفحات:	120
پبلشر:	نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

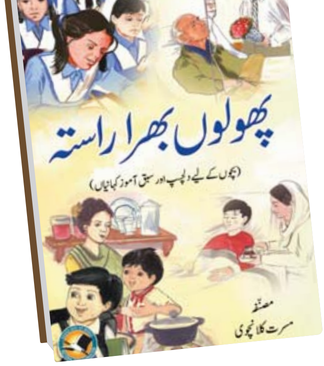

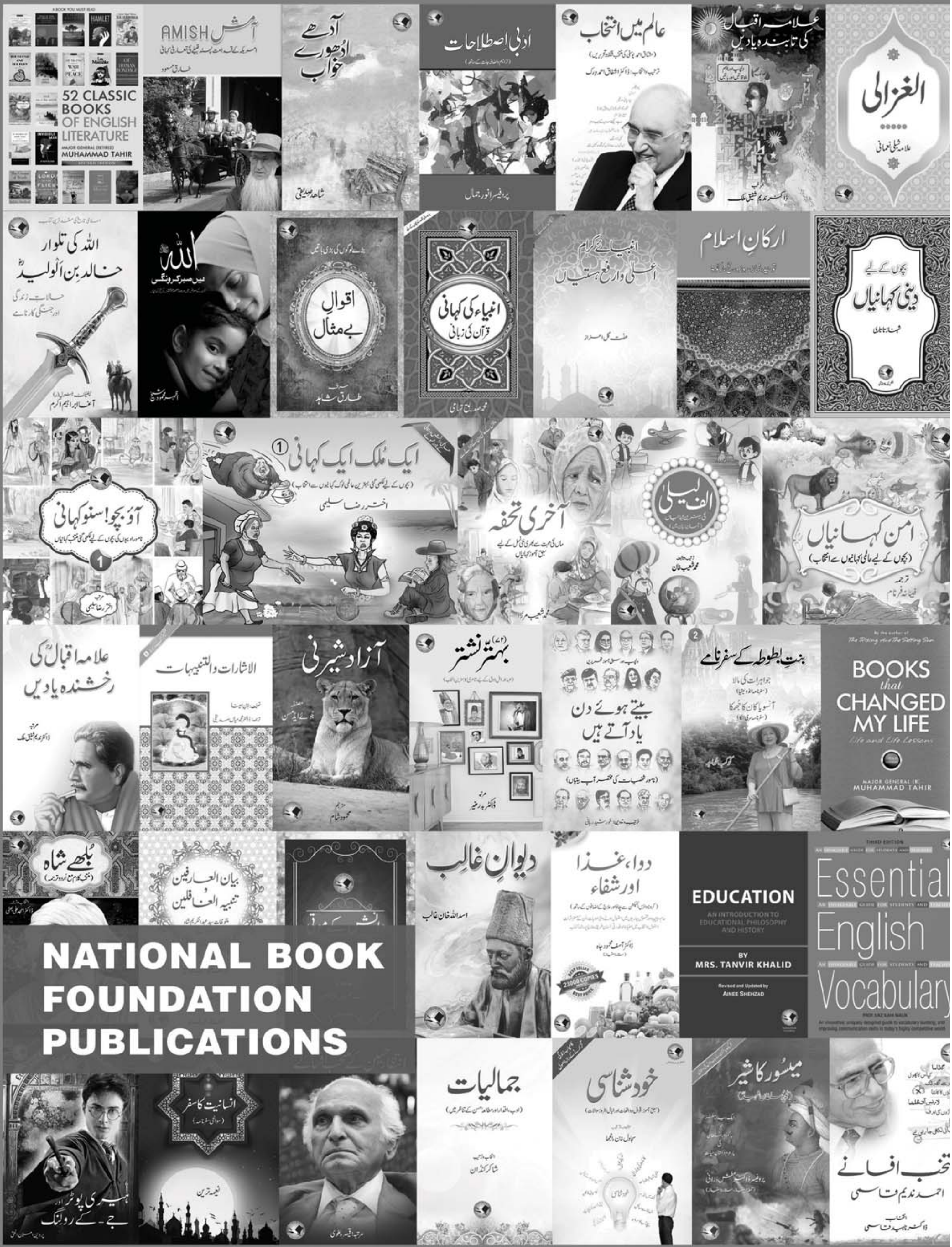
NATIONAL BOOK FOUNDATION PUBLICATIONS
52 CLASSIC BOOKS OF ENGLISH LITERATURE
MAJOR GENERAL (RETIRED) MUHAMMAD TAHIR
AMISH
BOOKS that CHANGED MY LIFE
MAJOR GENERAL (R) MUHAMMAD TAHIR
EDUCATION
AN INTRODUCTION TO EDUCATIONAL PHILOSOPHY AND HISTORY
BY MRS. TANVIR KHALID
Revised and Updated by AINEE SHEHZAD
Essential English Vocabulary
THIRD EDITION
آدھے ادھورے خواب
ادبی اصطلاحات
عالم میں انتخاب
علامہ اقبال کی تابندہ یادیں
الغزالی
اللہ کی تلوار خالد بن الولید
اقوالِ بے مثال
انبیاء کی کہانی قرآن کی زبانی
ارکانِ اسلام
دینی کہانیاں
آؤ بچو! سنو کہانی
ایک ملک ایک کہانی
آخری تحفہ
الف لیلیٰ
امن کہانیاں
علامہ اقبال کی رخشندہ یادیں
الاشارات والتنبیہات
آزاد شیرنی
بہتر نشتر
بیتے ہوئے دن یاد آتے ہیں
بنتِ بطوطہ کے سفرنامے
بلھے شاہ
بیان العارفین تنبیہ الغافلین
دیوانِ غالب
اسد اللہ خان غالب
دوا، غذا اور شفاء
جمالیات
خودشناسی
میسور کا شیر
انسانیت کا سفر
ہیری پوٹر اور جے۔ کے رولنگ
منتخب افسانے
احمد ندیم قاسمی

For more information/queries please contact
National Book Foundation (Head Office) 6-Mauve Area, Taleemi Chowk, G-8/4, Islamabad. Tel: 051-9261125, 9260391 Email: books@nbf.org.pk Website: www.nbf.org.pk